جلد 16 شمارہ 11 ماہ نومبر 2014ء محرم الحرام 1436ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

اللہ

صداقت

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ما سواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مدیر: احمد رضا خان
0321-6400942

معاون مدیر: خالد محمود توحیدی
0300-7374750

نائب مدیر: سید رحمت اللہ توحیدی
0333-4552212

مجلس ادارت

خالد مسعود، ایم طالب
پیر خان، عتیق احمد عباسی
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411035 / 055-3411030
ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ 30/- روپے   سالانہ فنڈ 300/- روپے

اس شمارے میں

درس قرآن: سورۃ الاحقاف آیت ۱۴-۱۳ محمد قطبؒ

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (13)
أُوْلَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاء بِمَا كَانُوا يَعْمَلُون(14)

ترجمہ: " بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا ربّ اللہ ہے، پھر وہ اس پر قائم ہو گئے (سیدھے کھڑے ہو گئے) تو ان پر کوئی خوف نہیں، نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہی لوگ اہل جنت ہیں ، جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ ان کیلئے ان کے اعمال کی جزا ہے۔"

رَبُّنَااللّٰہ کے قول کا مطلب:

رَبُّنَا اللّٰہ صرف ایک زبانی قول یا ایک دکھاوے کا نعرہ نہیں ہے۔ یہ صرف ایک ضمیر کا عقیدہ بھی نہیں، بلکہ یہ زندگی کا پورا نظام ہے جو اس کی ہر حرکت و عمل اور ہر سکون پر مشتمل ہے۔ یہ کہہ دینا کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے، آسان ہے لیکن عمر بھر ثابت قدمی سے اس پر ڈٹے رہنا بڑی ہمت و مردانگی کا کام ہے۔ جن لوگوں نے دل و جان سے توحید باری تعالیٰ کا اقرار کیا، پھر تا زیست اپنے اس قول و قرار کو پوری دیانتداری اور راست بازی سے نبھایا۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور الوہیت میں کسی کو شریک نہیں کیا۔ جو کچھ زبان سے کہا تھا اسکے تقاضوں کو اعتقاداور عملاً پورا کیا۔ جو عمل کیا خالص اس کی خوشنودی اور شکر گزاری کیلئے کیا۔ اپنے ربّ کے مقرر کردہ حقوق و فرائض کو سمجھا اور ادا کیا ایسے لوگوں کیلئے جنت کی خوش خبری ہے۔ اعمال و افعال اور اقوال و معاملات، عقائد اور ان کے مطابق زندگی کے پورے نہج پر محیط ہے۔ یہ ایک مسلمان کے تفکر و تدبر، سوچ، رفتار و گفتار اور پورے کردار کا آئینہ ہے۔ ہر بات اور ہر کام میں رَبُّنَا اللّٰہ کی جھلک ہو، ہر کام یہ سوچ کر کیا جائے کہ اس کی جوابدہی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے والی ہے۔ ہر محبت و عداوت اسی پر مبنی ہو، ہر قدم اسی کی خاطر اُٹھے، ہر سکون میں اسی کی جھلک ہو۔ رَبُّنَا اللّٰہ کا مطلب یہ ہے کہ عبادت اُسی کی ہے، توجہ اُسی کی طرف ہے، سجدہ اسی کو ہے، دُعا اُسی سے ہے،

خوف اُسی کا ہے اور بھروسہ اُسی پر ہے ۔رَبُّنَا اللّٰه کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا ہمارے حساب و کتاب میں کوئی نہیں، کوئی شئے نہیں جس سے خوف رکھیں اور جس سے اُمید رکھی جائے۔ رَبُّنَا اللّٰه کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہر کام، ہر سوچ، ہر قدم اُسی کی طرف اور اُسی کیلئے ہے۔فقط اُسی کی رضا مطلوب ہے۔رَبُّنَا اللّٰه کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کے سوا کسی کا فیصلہ نہیں مانتے (رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ اسی کا فیصلہ ہے) اقتداء صرف اسی کی شریعت اور قانون کی ہے۔فقط اُسی کی ہدایت، ہی ہدایت ہے۔رَبُّنَا اللّٰه کا مطلب یہ ہے کہ سارا وجود کائنات ہمارے ساتھ مربوط ہے اور ہمارا ربط اس وجود کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے تعلق اور صلّہ کی بناء پر ہے۔

استقامت کا مطلب کیا ھے؟

استقامت کا لفظی معنٰی ہے سیدھا کھڑا ہوجانا، ڈٹ جانا، راہِ راست پر چل پڑنا اور شرعی معنٰی اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دینِ حق پر پختہ ارادے اور نیک نیت کے ساتھ چل پڑنا۔ حضور نبی کریم ﷺ سے کسی شخص نے پوچھا کہ مجھے اسلام کے بارے میں کوئی مختصر بات فرما دیجئے جو کسی سے نہ پوچھنی پڑے تو آپ ﷺ نے فرمایا: **قُلْ رَبِّیَ اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ**۔کہہ کہ میرا ربّ اللہ تعالیٰ ہے پھر اس پر ڈٹ جا، سیدھا قائم ہوجا اور اسی راہ پر چلتا رہ، استقامت، رَبُّنَا اللّٰه کے قول کے علاوہ ایک اور چیز ہے جس کا تعلق دین کو اختیار کرنے کے بعد اس پر قائم ہوجانے اور ڈٹ جانے کے ساتھ ہے۔نفس اس پر مستقیم ہوجائے اور دل مطمئن ہوجائے، شعور و ادراک اور دل کی کھٹک درست ہوجائے، کسی قسم کا شک و شبہات اور اضطراب و بےچینی و بے اطمینانی باقی نہ رہے۔کوئی کشش آدمی کو راہِ خدا سے ہٹا نہ سکے، کوئی مؤثر شئے نہ ہو جس کا اثر و عمل تقاضۂ دین کے خلاف ہو۔ راہِ خدا سے دُور لے جانے والی بہت سی شدید اور بظاہر خوبصورت چیزیں ہوسکتی ہیں، ان میں سے کسی سے متاثر نہ ہونا استقامت ہے۔ایسی پختگی پیدا ہوجائے کہ اس کے بعد اسلام سے پیچھے ہٹنے اور اسکے تقاضوں کے خلاف کرنے کا سوال خارج از بحث ہوجائے۔انسان کے اعمال، خیالات، سوچ زندگی کے ہر حصے میں دین کے مطابق ہوجائیں۔

پس رَبُّنَا اللّٰہ تو الٰہی راستہ ہے اور اس کو عمداً سوچ سمجھ کر اختیار کرنے کے بعد اس پر قائم ہو جانا، شعور کے ساتھ اسکی راہ کو بخوشی اختیار کر لینا استقامت ہے۔ بزرگوں نے کہا کہ اَلْاِسْتِقَامَۃُ خَیْر مِّنَ الْکَرَامَۃِ "استقامت کرامت سے بہتر ہے"۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے وہی ہیں جنکے نصیب میں استقامت ہوتی ہے۔ ان کو ہی صحیح معرفت حاصل ہے جس پر عمل کر کے وہ استقامت کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہی وہ اربابِ استقامت بندے ہیں جن کی یہ صفت ہے کہ لَا خَوْف عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْن ۔ جب راستہ سیدھا ہے منزل سامنے ہے اور اس پر گامزن ہو جانے والوں کیلئے منزل پر رسائی کی ضمانت موجود ہے تو پھر خوف اور حزن کا سوال کیا ہے؟ جنت ان لوگوں کی عملی زندگی کی جزا ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کا عمل ہمیشہ اس صراطِ مستقیم پر رہا ہے۔ اور وہ اس راستے پر قائم و دائم رہے ہیں اور خُلُوْد فِیْ الْجَنّٰت اسی نیک عملی کی جزا ہے جو رَبُّنَا اللّٰہ کے عقیدے سے پھوٹتا ہے۔ بشرطیکہ انسان اس پر استقامت اختیار کرے۔ اعتقادی کلمہ صرف زبان سے کہا جانے والا لفظ نہیں ہے۔ **لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** ایک جملہ نہیں ہے بلکہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ ہے۔ یہ اسلام کا رکن مطلوب اس وقت بنتا ہے جبکہ زبان سے لیکر دل و جان تک اس کی شہادت دی جائے اور جسم و روح ہر دو اس شھادت میں شامل ہوں۔ پس شہادت، ایک انسان کی انفرادی زندگی میں اور ایک قوم کی اجتماعی زندگی میں انقلاب لاتی ہے اور اسے بے پناہ طاقتور بنا ڈالتی ہے کہ کوئی ان کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ آج کل کروڑوں مسلمان صرف زبانی کلمہ پڑھتے ہیں، یہ بے اثر ہے۔ جب یہ رگ و پے میں داخل ہو جائے تو اس وقت انسان معیاری کردار کا مسلمان بنتا ہے جس سے کائنات لرزتی ہے۔ جب تک یہ حقیقت قلب و ضمیر میں جاگزین نہ ہو جائے، آدمی مومن صادق نہیں ہو سکتا۔ اسی کو مومن کامل کہا جا سکتا ہے!

درسِ حدیث: اسلامی مملکت میں شہریوں کا بنیادی حق جان کا تحفظ

(مولانا فضل الرحیم)

﴿عَنْ اِبْنِ عُمَر رَضَی اللّٰہ عنہ عَنْ النبی کریم ﷺ قَالَ مَنْ حمل علینا السلاح فلیس منّا﴾ (رواہ البخاری)

ترجمہ : ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہم پر ہتھیار اُٹھائے وہ ہم سے نہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے دوسرے مسلمان پر ہتھیار اُٹھانے والے کو اسلام کے دائرہ سے خارج فرما دیا ہے۔ اسلام نے ہر مسلمان کی جان دوسرے مسلمان کیلئے قابل احترام قرار دی، دوسرے کی زندگی کو نقصان پہنچانا حرام قرار دیا ہے۔ اللہ ربّ العزت نے سورۃ المائدہ کی آیت میں جان کے تحفظ کے بارے میں ارشاد فرمایا، اس میں خطاب تو بنی اسرائیل کو ہے لیکن جو ہدایت ارشاد فرمائی وہ پوری انسانیت کیلئے ہے اور فرمایا کہ ''کوئی شخص کسی کو دوسرے کے قتل کے بدلہ کے علاوہ یا زمین میں فساد پھیلانے والے کے علاوہ کسی کو قتل کر دے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی کی جان کو بچائے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو بچا لیا''۔ اسلام نے شہریوں کے جملہ حقوق کو مکمل تحفظ دیا ہے۔ شہری سے مُراد کسی مُلک یا ریاست میں رہنے والا ہر وہ شخص ہے جسے اس ملک میں رہائش کے حقوق قانونی طور پر حاصل ہوں۔ اس میں نہ رنگ و نسل کا فرق ہے نہ مذہب اور عقیدہ کا، بلکہ ہر وہ شخص جو ایک ملک یا ریاست کی حدود میں رہتا ہو اور حکومت کے قوانین کو تسلیم کرتا ہو وہ اس ملک کا شہری ہے۔ اسلام ہر شہری کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔ شہریوں کے حقوق کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) مذہبی حقوق (۲) سیاسی حقوق۔ (۳) معاشی حقوق (۴) معاشرتی حقوق۔

ایک اسلامی ریاست (ملک) اپنے شہری کی جان کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اور جان کی حفاظت ہر شہری کا حق ہے۔ اسلام نے جان کے تحفظ کیلئے باقاعدہ قوانین بنائے ہیں اور سخت سزائیں مقرر فرمائی ہیں محض قوانین اور سزائیں مقرر کرنا اس سے جان کی حفاظت نہیں ہوتی بلکہ ان قوانین کو نافذ کرنے اور سزاؤں پر عمل کرنے سے جان کو تحفظ ملے گا۔ اسلام نے ہر شہری کیلئے دوسرے شہری کی جان کی بھی حفاظت ضروری قرار دی اور کسی جان کو معمولی نقصان پہنچانے سے بھی منع فرمایا: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے کنکریاں اور چھوٹے چھوٹے پتھر مارنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ ﴿قَدْ تکسر السن و تفقاء العین﴾

''کبھی اس سے دانت ٹوٹ جاتا ہے کبھی آنکھ پھوٹ جاتی ہے۔''

حضرت ابوموسیٰؓ سے متفق علیہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص تم میں سے ہماری مسجدوں میں آئے یا بازار سے گزرے اور اس کے پاس تیر ہوں تو وہ تیروں کے پھل پر ہاتھ رکھ لے تا کہ کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے''۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار کو کھینچ لے اور وہ اس کے بھائی کو لگ جائے اور پھر یہ مارنے والا جہنم کے گڑھے میں جا پڑے۔''

جان کے تحفظ کے سلسلہ میں اسلام نے جتنے قوانین عطا کیے ہیں ان کو ہر آدمی نافذ نہیں کر سکتا اور کوئی شخص جوشِ انتقام اور غصہ میں کسی بھی شخص کو سزا دینے کیلئے قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔ بلکہ ان سزاؤں کا نفاذ صرف اور صرف حکومت اور عدلیہ کر سکتی ہے۔

اسلامی حکومت میں زندگی کے تحفظ کیلئے جو قوانین وضوابط مقرر فرمائے جائیں ان پر بلاامتیاز عمل کیا جائے خصوصاً اسلامی حدود اور سزاؤں میں سفارش کا بالکل خاتمہ کر دیا جائے اور سختی سے مقررہ سزاؤں پر عمل درآمد ہو تو پھر **وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الألباب** قرانی فلسفہ بخوبی معلوم ہو جائے گا۔ ''اے اہل عقل! قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے۔

آدابِ زندگی

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

لباس: جب دو آدمی ملتے ہیں تو سب سے پہلی چیز جو ایک دوسرے کے متعلق رائے قائم کرنے میں مدد دیتی ہے لباس ہے۔اس لیے جب کبھی گھر سے باہر جاؤ یا کسی سے ملو تو لباس ستھرا، اُجلا اور تراش خراش میں مروّجہ فیشن کے مطابق ہونا چاہئے، لیکن باوجود اس کے اگر کسی کا لباس اچھا نہ ہو تو اس پر نکتہ چینی کرنا یا مذاق اڑانا شرافت کے خلاف ہے۔

گفتگو: لباس کے بعد دوسری چیز گفتگو ہے، جس سے ایک آدمی دوسرے کے متعلق رائے قائم کرتا ہے۔یہ گفتگو ہی ہے جو انسان کو دوسروں کی نظر میں مقبول یا مردود بنا دیتی ہے۔گفتگو ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آدمی شریف ہے یا رذیل، بیوقوف ہے یا عقل مند، مہذب ہے یا بدتمیز معمولی تعلیم یافتہ ہے یا ان پڑھ، عالم ہے یا جاہل۔اس لیے اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تم کو عزت کی نظر سے دیکھیں تو گفتگو میں بہت احتیاط سے کام لو۔گفتگو کرتے وقت آواز اس قدر بلند ہو کہ سننے والوں پر گراں گزرے اور یہ معلوم ہو کہ لڑ رہے ہو یا وعظ کر رہے ہو۔نہ اس قدر دھیمی کہ سننا اور سمجھنا بھی مشکل ہو جائے۔لہجہ ہمیشہ نرم اور شیریں ہونا چاہئے، بہت زیادہ بولنا یا کسی مجلس میں برابر بولتے رہنا بہت معیوب اور جہالت کی نشانی ہے، لیکن بالکل خاموش بیٹھے رہنا بھی اچھا نہیں۔جب ضرورت ہو یا کوئی سوال کیا جائے تو ضرور بولو، لیکن جو بات کہو معقول اور ضرورت کے مطابق۔فضول باتیں کرنے کو بکواس کہتے ہیں۔بہت جلدی جلدی بولنا معیوب ہے، لیکن اس قدر ٹھہر ٹھہر کر بھی نہ بولو کہ لوگ منہ تکتے رہیں۔ایسی باتیں ہرگز نہ کہو جس سے سننے والوں کو دکھ ہو یا ان کی تذلیل ہوتی ہو۔لطیفہ کوئی بری چیز نہیں، لیکن یہ بھی کبھی کبھی ہو تو اچھی ہوتی ہے، ہر وقت مذاق اڑانا یا ان کا نام رکھنا، طعنے دینا اور آوازیں کسنا شرافت کے خلاف ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے بھی منع کیا ہے۔زیادہ سنجیدگی بھی اچھی نہیں، باتیں کرتے وقت کبھی کبھی مسکرانا یا ہنسنا

ضرور چاہئے ۔چہرے پر خشونت اور رعونت ہرگز نہیں ہونی چاہئے ، یہ فرعونیت کی نشانی ہے ۔اکثر اُمراء اور حکام جب اپنے ماتحتوں یا اہل معاملہ سے بات کرتے ہیں تو چہرہ اس قدر بھیانک ہوتا ہے کہ ڈر لگتا ہے ۔یہ لوگ اتنا نہیں جانتے کہ مخاطب اس وقت تو مرعوب ہو جاتا ہے لیکن پیٹھ پیچھے ان کا مذاق اڑاتا اور برائی سے یاد کرتا ہے ۔اگر اظہارِ ناراضگی ہی کرنا ہو تو سنجیدہ لہجہ ہی کافی ہو سکتا ہے۔

گفتگو کئی قسم کی ہوسکتی ہے ،تفریحی ، علمی ، ادبی ، سیاسی ، مذہبی ،فلسفیانہ وغیرہ ،مگر ہمیشہ موقع اور محل دیکھ کر کرنی چاہئے ۔یعنی جیسا مخاطب یا جس قسم کے سامعین ہوں ان کے سامنے ویسی ہی گفتگو کی جائے ،فضول قسم کی باتوں سے ہمیشہ بچنا چاہئے ۔لوگوں سے ان کے نجی معاملات کے متعلق ہرگز سوالات نہیں کرنے چاہئیں ،مثلاً ملتے ہی کسی سے اس کی آمدنی پیشے یا گھریلو معاملات کی بابت پوچھنا بہت معیوب بات ہے ۔ایسے سوالات بھی ہرگز نہ کرو کہ اگر ان کا صحیح جواب دیا جائے تو تم کو برا لگے ۔ایسی باتوں سے مجلس میں بدمزگی اور فساد پیدا ہوتا ہے اور کبھی اچھا نتیجہ نہیں نکلتا ۔ذرا ذرا سی بات پر اعتراض اور بحث کرنا ، دوسروں کی بات کاٹنا یا جب کوئی بول رہا ہو تو بیچ میں بول پڑنا ، بہت ہی بری اور جہالت کی بات ہے ۔عورتوں میں یہ بات خاص طور سے پائی جاتی ہے ۔مرد ہی کون سے بھلے ہوتے ہیں ۔کوئی مجلس ہو یا محفل ، گھر ہو یا ہاسٹل ، ریل میں ہم سفر ہوں یا بس میں ،ایک آدمی کے منہ سے بات نکلنے ہی نہیں پاتی کہ دوسرا اس پر اعتراض جڑ دیتا ہے ۔اس طرح ہر شخص اپنی لیاقت علمی اور طاقت لسانی کا سکہ بٹھانا چاہتا ہے اور یہ کوئی نہیں جانتا کہ یہ اول درجہ کی جہالت کا ثبوت ہے ۔ایسی ہی فضول باتوں پر بعض اوقات مہلک لڑائیاں بھی ہو جاتی ہیں ۔پاکستان بننے کے بعد شاہ ایران کراچی تشریف لائے تھے ، جب وہ واپس چلے گئے تو ایک دن ایک ریسٹوران میں دو آدمیوں میں اس طرح بحث شروع ہو گئی ،ایک کہتا تھا جب ان کا جلوس نکلا تھا تو وہ تاج پہنے ہوئے تھے ، دوسرا مصر تھا کہ ٹوپی پہن رکھی تھی ۔یہ معمولی سی بات اتنی بڑھی کہ ایک نے دوسرے کو چاقو مار دیا اور وہ مر گیا ، مارنے والے کو ایک سال بعد پھانسی ہوئی ۔اب فرمایئے اس سے زیادہ جہالت بھی آپ نے کبھی دیکھی ہے۔

دعوتیں : میل ملاقات کے سلسلہ میں دعوتوں کا ذکر بھی ضروری ہے۔دعوتوں میں سادگی سے کام لینا چاہئے۔شریف مہمان یہ نہیں دیکھتے کہ میزبان کیا کھلاتا ہے، وہ دیکھتے ہیں کہ کس خلوص سے کھلاتا ہے۔دعوتوں میں وقت سے صرف دس پانچ منٹ پہلے ہی جانا اور کھانے کے بعد جلد ہی واپس آجانا چاہئے۔بہت پہلے سے جا بیٹھنا اور بعد میں بہت دیر تک بیٹھے رہنا برا ہے۔اس سے میزبان کو بہت تکلیف ہوتی ہے، گو وہ زبان سے کچھ نہ کہے۔دعوتوں میں پرانے احباب سے ملنے اور نئے دوست پیدا کرنے کا بڑا اچھا موقع ملتا ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

کھانے کے آداب : کھانا ہمیشہ صاف ستھری جگہ پر کھانا چاہئے۔بہتر ہے کہ کھانا تم سے کسی قدر اونچی جگہ پر ہو۔نیچے فرش پر بیٹھ کر کھاؤ یا میز کرسی پر، صفائی کا خیال ہر حالت میں ضروری ہے دستر خوان ہمیشہ صاف اور اجلا ہونا چاہئے۔کھانا الگ الگ رکابیوں میں نکالنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ ہر قسم کا کھانا بڑی بڑی رقابوں اور ڈونگوں میں بھر کر دستر خوان پر رکھ دیا جائے۔ہر شخص کے سامنے خالی رکابیاں، طشتریاں اور پیالے وغیرہ ہوں، جن میں وہ بڑے چمچوں سے ضرورت کے مطابق نکال کر کھائے۔کھانا ہاتھ سے کھاؤ یا چمچوں سے یہ اپنی اپنی مرضی ہے۔کھاتے وقت زانو پر رومال وغیرہ ڈال لینا چاہئے تا کہ کپڑے خراب نہ ہوں۔کھانے سے پہلے ہاتھ ضرور دھولو اور کلی بھی کرلو تا کہ منہ صاف ہوجائے اور کھانے کا پورا مزہ آئے۔خوب کھل کر بیٹھو، شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھو، کھانا آہستہ آہستہ خوب چبا کر کھاؤ، جلدی ہرگز نہ کھاؤ۔اگر کھانے کا پورا مزہ لینا ہو تو چباتے وقت ذائقے کا خیال کرو، اگر تم باتیں کرتے یا بے خیالی میں کھاتے رہو گے تو کھانے کا ذائقہ پوری طرح ہرگز محسوس نہ ہوگا۔لقمہ اس طرح چباؤ کہ چپڑ چپڑ کی آواز نہ نکلے، یہ بہت بدتمیزی کی بات ہے۔لقمہ بہت بڑا نہ ہو، کھاتے میں منہ اس قدر نہ کھلنے پائے کہ لوگوں کو منہ کے اندر کھانا نظر آئے۔شوربہ وغیرہ میں نوالہ اس طرح تر کرو کہ سارا ہاتھ لت پت نہ ہوجائے۔جب کھا چکو تو الحمدللہ کہو، لمبی لمبی ڈکاریں لینا اور پیٹ پر ہاتھ پھیرنا بہت بری عادتیں ہیں۔کھانے کے بعد ہاتھ خوب صاف کرکے دھوؤ اور منہ بھی خوب صاف کرو، مگر اس طرح کھکارنا، کھانسنا اور

حلق صاف کرنا کہ دوسرے لوگ سنیں، خلاف تہذیب ہے ۔ پانی وغیرہ جلدی جلدی نہیں پینا چاہئے بلکہ دوتین مرتبہ بیچ میں ٹھہرنا چاہئے ۔ پینے میں اس بات کا خیال رکھو کہ غٹ غٹ کی آواز سنائی نہ دے۔ بعض آدمی چائے اور پانی وغیرہ اس طرح پیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے گلے میں کبوتر غٹرغوں غٹرغوں کررہا ہے ۔ دعوت کھانے کے بعد میزبان سے اجازت لو، کھانے کی تعریف کرو اور شکریہ ادا کرکے رخصت ہو۔ کھانے کی برائی کرنا کہ نمک کم تھا، مرچیں زیادہ تھیں، شوربہ پتلا تھا یا چاول کھڑے رہ گئے تھے نہایت ہی ذلیل عادت ہے ۔ گھروں میں کھانا کھاتے وقت بھی انہی آداب کا خیال رکھنا چاہئے۔

آداب نشست و برخاست : قوموں کی تہذیب و تنظیم اور بدتہذیبی و بدنظمی جیسا مظاہرہ بڑی بڑی محافل و مجالس میں ہوتا ہے اور کہیں نہیں ہوتا ۔ اس لیے جب کسی محفل، مجلس یا بڑے جلسے میں جاؤ تو ان آداب پر پوری طرح عمل کرو تا کہ اغیار کی نظر میں تمہاری قوم و ملت کی سبکی نہ ہو۔ مجلس میں داخل ہوتے ہی جو لوگ نزدیک ہوں ان کو آہستہ سے سلام کرو، اپنے منصب و مرتبے کے لحاظ سے مناسب جگہ پر بیٹھ جاؤ۔ پہلے آنے والے آگے اور بعد میں آنے والے پیچھے قطار در قطار ترتیب وار بیٹھتے جائیں ۔ بعد میں آنا اور بیٹھے ہوئے لوگوں کے کندھوں اور سروں پر سے کود کود کر آگے جانا انتہائی بدتہذیبی ہے ۔ اگر جلسہ بڑا ہو اور جلسہ گاہ میں جانے کے راستے مقرر ہوں تو قطار بنا کر اندر جانا اور نمبروار اپنی جگہ بیٹھنا چاہئے ۔ جلسے کے اختتام پر واپس بھی اس طرح قطار اندر قطار ہونا چاہئے، اس سے تمہارے قومی وقار اور تہذیب و تنظیم کا ثبوت ملتا ہے ۔ جو لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح بے ترتیب بھاگتے دوڑتے اور چیختے چلاتے جلسہ گاہوں میں آجاتے ہیں، وہ اپنی قوم کو بدنام کرتے اور دوسرے لوگوں کو ہنسنے کا موقعہ دیتے ہیں ۔ عید گاہوں اور جامع مسجدوں میں آتے جاتے وقت بھی یہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے ۔ جن لوگوں کو ان باتوں کا شعور اور احساس ہے ان پر فرض ہو جاتا ہے کہ ایسے مواقع پر تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر عوام کو ان طریقوں پر چلانے کا عملی بندوبست کریں۔ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو اور اس بات کی احتیاط رکھو کہ تمہاری کہنی،

گھٹنا، چھتری چھڑی پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو نہ چبھے۔ایسے موقعوں پر آپس میں کانا پھوسی کرنا، دوسروں کی طرف اشارے کرنا یا کسی پر اعتراضات کرنا اور ہنسنا شرافت سے بہت ہی بعید ہے۔اگر کوئی صاحب تقریر کریں یا کچھ پڑھ کر سنائیں تو غور سے سنو اور اگر کوئی بات تمہاری مرضی یا تمہارے نظریات کے خلاف ہو تو صبر کرو۔اگر کوئی اعتراض کرنا یا کسی بات کی تشریح کرانا ضروری ہی ہو تو تقریر ختم ہونے کے بعد صاحب صدر کی اجازت سے مناسب الفاظ اور شائستہ لہجے میں ٹھنڈے دل سے سوالات کرو۔غل مچانا، لڑائی پر آمادہ ہو جانا یا آوازیں کسنا شریفوں کا شیوہ نہیں۔ایسا ہی بحث و مناظرہ کا شوق ہو تو اس کے لئے خاص مجالس منعقد کر کے دل کے ارمان نکالے جا سکتے ہیں۔عام جلسوں میں بحث و مباحثہ شر و فساد ہوتا ہے، اس سے بچنا چاہئے۔

چلنے پھرنے کے آداب: چال سے بھی انسانی کردار کا بہت کچھ حال معلوم ہوتا ہے۔ چال میں تصنع ہرگز نہیں ہونا چاہئے نہ غرور و تمکنت۔گردن اکڑا کر اور سینہ تان کر چلنا منع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اکڑ کر نہ چلو تم اس کو پھاڑ نہ سکو گے، نہ عاجزی اور فروتنی سے اس طرح چلو کہ کندھے ڈھیلے، گردن ڈھلکی ہوئی اور منہ لٹکا ہوا ہو۔نہ اس قدر تیز اور بدحواس ہو کر چلو گویا کوئی تمہارے تعاقب میں ہے اور تم ڈر کر بھاگ رہے ہو۔نہ اس قدر سست رو بنو کہ بیمار معلوم ہو، میانہ روی سب سے بہتر ہے۔فوجی سپاہیوں کی چال بہت اچھی ہوتی ہے، نہ اس میں غرور و تکبر ہوتا ہے نہ سستی اور کاہلی۔چلتے میں نہ تو اچکوں کی طرح تیز تیز نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے چلو نہ نظر اس قدر نیچی ہو کہ سامنے سے آنے والوں کے ساتھ ٹکرا جاؤ۔

چلنے میں چہرے پر بشاشت اور تازگی ہونی چاہئے۔حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ کندھے لٹکے ہوئے، گردن ڈھلکی ہوئی، چہرے پر ملال کے آثار، آہستہ آہستہ چلا آ رہا ہے۔ آپؓ نے اس کو ٹوکا اور فرمایا مسلمان کو ہرگز اس طرح نہیں چلنا چاہئے کہ مجسمہ حزن و ملال معلوم ہو، بشاش ہو کر چلا کرو۔بازاروں اور شاہراہوں پر اس طرح نہ چلو کہ کسی اور کو دھکا لگے۔ اگر بھیڑ کی وجہ سے راستہ نہ ہو تو صبر کرو، آہستہ چلو یا ٹھہر جاؤ کہ راستہ صاف ہو جائے۔دوسروں کو

دھکے دے کر آگے نکلنا بڑی بدتمیزی ہے، یہاں تک احتیاط کرنا چاہئے کہ دھکا تو درکنار تمہارا جسم بھی کسی کو چھونے نہ پائے۔ راستہ میں چیخنا اور غل مچانا برا ہے، اگر کوئی شخص آگے جا رہا ہو تو پیچھے سے چیخ کر اس کو آواز نہ دو۔ بعض آدمی چلتے چلتے راستے ہی میں کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگتے ہیں، یہ بہت ہی بری عادت ہے، بات ہی کرنا ہو تو راستہ سے ایک طرف ہٹ کر کرو۔ جب دو آدمی اس طرح باتیں کر رہے ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر ہرگز ان کے پاس کھڑے نہ ہو اور ان کی باتیں سننے کی ہرگز کوشش نہ کرو۔

بسوں میں سوار ہونے اور ریل وغیرہ کے ٹکٹ خریدنے کے لیے ہمیشہ قطار میں کھڑے ہو اور نمبر آنے پر سوار ہو یا ٹکٹ خریدو۔ دوسروں کو دھکے دے کر آگے نکلنا ان کا حق مارنا ہے، مہذب لوگ ایسا نہیں کرتے۔ مسافروں میں عورتیں، بچے اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں، سب سے پہلے عورتوں اور بچوں اور پھر بوڑھوں کا حق ہے، ان کو ہر طرح کی سہولت بہم پہنچاؤ۔ بسوں اور ریلوں میں بیٹھتے وقت بھی نمبر کا خیال رکھو، بیٹھ جانے کے بعد بھی اس بات کی احتیاط رکھو، کہ تمہاری کہنی، ہاتھ یا پاؤں سے کسی دوسرے کو تکلیف تو نہیں ہو رہی۔ بعض آدمی اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اگلی سیٹ کے تکیے پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں جو دوسروں کو چبھتا ہے اور وہ شریف آدمی خاموش بیٹھا تکلیف اٹھاتا رہتا ہے، منہ سے کچھ نہیں کہتا۔ وہ جانتا ہے کہ جس احمق کو بیٹھنے کی بھی تمیز نہیں اس سے اگر کچھ کہا تو لڑائی ہوگی۔ بسوں اور ریلوں میں بحث مباحثہ کرنا اچھا نہیں۔ اکثر آدمی سارے راستے لیکچر دیتے یا بزعم خود وعظ فرماتے رہتے ہیں، تالو سے زبان ہی نہیں لگتی۔ یہ لوگ اپنی لیاقت جتاتے ہیں مگر اتنا نہیں سمجھتے کہ بہت سے ہم سفروں کو انکی آواز بری لگ رہی ہے یا کسی کی نیند میں خلل آ رہا ہے، یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ مناسب طور پر بولنے میں مضائقہ نہیں جن سے دوسروں کو دلی خوشی ہو اور راستہ لطف سے کٹے۔ ریلوں کے اندر اور اسٹیشنوں پر اگر کوئی ہم سفر کھانے پینے کی کوئی چیز دے تو فوراً نہ کھا لو بلکہ خوب احتیاط سے جانچ کر لو کہ دینے والا شریف آدمی ہے یا نہیں، کیوں کہ اکثر بدمعاش کھانے میں زہر یا بے ہوشی کی دوائیں ملا کر لوٹ لیتے ہیں۔

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

کسی بھائی نے حکومت اور ملکی حالات کی زبوں حالی کا شکوہ کیا اور بابا جانؒ سے پوچھا کہ یہ حالات کیسے بدلیں گے؟ قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحبؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ ہم نہیں بدلتے تمہاری تقدیر کو جب تک تم خود نہیں بدلتے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِاَنْفُسِهِم۔ (سورۃ الرعد ۱۳۔ آیت ۱۱)

''بے شک اللہ اس قوم کی حالت کو نہیں بدلے گا جب تک وہ خود نہیں بدلتے۔''

شاید مولانا ظفر علی خانؒ نے ہی کہا تھا کہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

جب تک آپ Change نہیں کرنا چاہتے اس وقت تک کچھ نہیں ہوتا۔ وقتی کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ بھی رحم فرما دیتا ہے۔ اب یہ بات دونوں طرف لاگو ہوتی ہے۔ برا حال ہے اچھے ہونے کی طرف بھی اور اچھا حال ہے تو برے ہونے کی طرف بھی۔ Change کریں گے تو ہو گا۔ خدا نے جب نعمت دے رکھی ہے تو چھینے گا نہیں جب تک آپ دوسری لائن پر نہیں چڑھ جاتے۔ وہ دی ہوئی نہیں چھینتا۔ وہ اس وقت چھینتا ہے جب آپ Change ہو جاتے ہیں۔ دونوں طرف یہی ہوتا ہے۔ آپ بدلیں گے تو وہ حال بدلے گا۔

ایک بھائی نے کہا کہ اس حکومت نے تین سال میں اتنے زیادہ قرضے لے لیے ہیں جتنے گزشتہ ساٹھ پینسٹھ سال میں نہیں لیے گئے تھے۔ موضوع میں تھوڑی تبدیلی آ گئی۔ بابا جانؒ فرمانے لگے۔

صدر ایوب خان Family planning پر بڑا زور دیتا تھا، اسی وقت یہ محکمہ بھی قائم ہوا۔ وہ بڑا زور دیتا تھا کہ آبادی کو کنٹرول کرو۔ آبادی اتنی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ باقی دنیا میں سارے Control ہو کر چل رہے ہیں۔ ہمارے ہاں جو تھوڑی سی ترقی ہوتی ہے اسے Population increase کہا جاتا ہے۔ آبادی اس سے زیادہ بڑھتی ہے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اُدھر جرمنی کی آبادی کم ہونا شروع ہوئی تو انہوں نے پھر Incentives دیے کہ بچے پیدا کریں ہمیں بندے باہر سے منگوانے پڑتے ہیں، ان کا یہ حال تھا کہ وہاں آبادی منفی جارہی تھی۔ ہمارا سارا ایشیا اس سے مختلف ہے۔ ایوب خاں بہت کہتا تھا۔ مولوی بھی مخالفت کرتے تھے کہ نہیں جی Birth Control تو برا کام ہے، اللہ رزق دینے والا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ نہیں مانتا تو نہ مانو، جب تمہارا برا حال ہوگا تو میں اس وقت نہیں ہوں گا، نہیں مانتے تو پھر یہی حال رہے گا، آبادی بڑھتی جائے گی۔ اب دیکھ لیں پاکستان بنا تو ہم مشرقی پاکستان سمیت سات کروڑ تھے۔ ان کی آبادی زیادہ تھی ہم سے، ہم ساڑھے تین کروڑ سے کم ہوں گے وہ ذرا زیادہ تھے۔ اب وہ علیحدہ ہو گئے، ہم اکیلے رہ گئے تو سنا ہے کہ آبادی اب اٹھارہ سے بیس کروڑ تک ہو چکی ہے۔ ایسے میں یہ وسائل کیا کریں گے؟۔ اس میں سے بارہ کروڑ نکال دیں تو Job opportunities اتنی زیادہ ہوں گی کہ کوئی بندہ بے روزگار نہیں ملے گا۔ آبادی کے اس Flux میں ہماری ساری پروگریس Null and void ہو جاتی ہے، ہم ادھر ہی رہتے ہیں۔ حالانکہ امام غزالیؒ نے کیمیائے سعادت میں اور احیاء العلوم میں پورا Chapter رکھا ہے۔ "باب العزل"۔ احادیثِ عزل اکٹھی کی ہیں۔ اس وقت صحابہ کرامؓ جو تھے وہ بھی Birth control کرتے تھے۔ خاص طور پر جو لونڈیوں کے بارے میں حکم تھا کہ تم انہیں بغیر نکاح کے رکھ سکتے ہو، انہیں استعمال کر سکتے ہو لیکن اس میں یہ تھا کہ اگر وہ حاملہ ہو جائیں تو پھر آپ بیچ نہیں سکتے، یہ پابندی تھی۔ اس کے بچے آپ کی جائیداد میں حصے دار ہوں گے۔ وہ آ کے پوچھتے تھے کہ ہم ان کو استعمال بھی کرنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ وہ حاملہ بھی نہ ہوں۔ وہ بتاتے تھے کہ ہم Birth control کرتے ہیں تو

وہاں حدیثِ عزل ہے۔ عزل کا مطلب ہے کہ عین اس ٹائم پر میاں بیوی علیحدہ ہو جائیں۔ اسے عزل کہتے ہیں۔ یہ حدیثِ عزل کے نام سے لکھی ہے۔ ایک دفعہ صحابہؓ نے کہا کہ ہم عزل کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ خاموش رہے، کچھ نہیں کہا۔ آئمہ کہتے ہیں کہ اس میں جواز کے کئی پہلو ملتے ہیں۔ جب نہیں روکا، کچھ نہیں کہا تو یہ جواز کا پہلو ہے۔ دوسرا آپ ﷺ نے ایک جگہ فرمایا کہ جس نے آنا ہے، وہ آ کر ہی رہے گا۔ جس روح نے پیدا ہونا ہے، وہ ہو ہی جائے گی، یہ فرمایا۔ وہی بدو پھر آیا اور اس نے کہا کہ وہ تو حاملہ ہو گئی ہے تو فرمایا کہ ہم نے تو کہا تھا لیکن اس سے بھی سختی کے ساتھ نہیں کہا کہ وہ ایسے ہوگا۔ ایک اور حدیث ہے کہ کُنَّا نَعزِلُ وَ اَنزَلَ القرآن۔ ''ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا تھا۔'' اس کا کیا تُک ہے کہ ہم عزل کرتے تھے، قرآن نازل ہوتا تھا۔ عزل کرنے کا قرآن نازل ہونے سے کیا تعلق ہے۔ کُنَّا نَعزِلُ. ہم عزل کرتے تھے۔ وَیَنزَلَ القُرآن. اور قرآن نازل ہوتا تھا۔ ایسے جیسے عزل کے ساتھ Connected ہو۔ بابا جیؒ نے ایک ڈائری میں لکھی ہوئی تھی کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ گھڑی ہوئی ہے کسی کی؟۔ مجھے اتفاق سے امام غزالیؒ کی احیاء العلوم مل گئی تھی تو وہ میں پڑھ رہا تھا، وہ تفصیل سے ہے اور کیمیائے سعادت ذرا اختصار سے ہے۔ میں نے بابا جیؒ کو لکھا کہ امام غزالیؒ تو بڑے Favour میں لکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ توکل کے خلاف ہے۔ مطلب ہے کہ کہاں سے کھلائیں گے؟ کدھر سے لائیں گے؟ اور کیسے؟ اللہ تو رازق ہے۔ انہوں نے کہا یہ تو ٹھیک ہے مگر یہ جو ہم اکٹھے دانے لے لیتے ہیں سال بھر کیلئے لہسن، پیاز اکٹھے لے لیتے ہیں کہ بعد میں مہنگے ہو جائیں گے، یہ بھی تو توکل کے خلاف ہے۔ کیا یہ توکل کے خلاف نہیں ہے؟ لیکن یہ منع نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ بھی کہتے تھے۔ بابا جیؒ نے بھی لکھا ہے کہ چیزیں موسم میں لے لینی چاہئیں۔ امام غزالیؒ نے کہا کہ یہ توکل کے خلاف ہے لیکن یہ منع نہیں ہے۔ اگر ایک آدمی چاہتا ہے کہ میں Birth control کروں، اس لئے کرتا ہے کہ میری بیوی جو ہے اس کی صحت ٹھیک رہے، یہ مسلسل بچے جننے کی وجہ سے کمزور نہ ہو جائے تو انہوں نے کہا کہ یہ بھی ٹھیک ہے۔

ہر آدمی اپنی Property کی حفاظت کرنا چاہتا ہے۔ یہ بھی کہ اس کی صحت ٹھیک رہے، دوائیوں میں نہ خرچ کرنا پھرے تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ اس میں بھی کوئی اعتراض والی بات نہیں ہے۔

اس دور میں جس وقت قرآن کا نزول ہو رہا تھا۔ اس وقت مسلمان اگر کوئی ایسی حرکت کرتے جو اللہ کی منشاء کے خلاف ہوتی تو فوراً آیت آجاتی تھی۔ یہ تم کرتے ہو۔ مثلاً لکھا ہے کہ پہلے رات کو بیویوں کے پاس جانا منع تھا۔ آپ رات کو نہیں جا سکتے تھے۔ پھر قرآن میں آیا کہ تم خیانت کرتے تھے، پھر اللہ نے معاف کر دیا۔ اجازت دے دی کہ جاؤ موج کرو۔ چلو اس غلطی کا فائدہ ہو گیا۔ اللہ نے کہا کہ تم خیانت کرتے تھے، آگے معاف کر دیا اور چھٹی دے دی۔ کمزوری کی وجہ سے معاف نہیں ہو گئی، Wave off کر دی، چھٹی ہو گئی۔ مطلب یہ کہ ایسی باتیں جب ہوتی تھیں اللہ کی منشاء کے خلاف تو فوراً وحی آجاتی تھی کہ یہ مسئلہ ہے۔

اس میں کہا ہے کہ اس وقت ہم عزل کرتے تھے جب قرآن کا نزول ابھی جاری تھا۔ اگر یہ اللہ کی منشاء کے خلاف ہوتا تو ضرور کوئی آیت اتر آتی۔ یہ مطلب ہے۔ یہ زبردست Proof ہے اس کا۔ باباجیؒ نے اسے Correct کر دیا۔ مجھے بھی شاباش دیتے ہوئے پذیرائی کی۔ پھر باباجیؒ نے اسے ڈائری میں لکھ دیا کہ اس کی یہ بھی توجیح ہو سکتی ہے۔ اس وقت ہم عزل کرتے تھے جب قرآن کا نزول ابھی جاری تھا۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب آخری وحی آگئی اور قرآن کا نزول بند ہو گیا۔ مگر اس وقت ابھی نزول جاری تھا۔ اگر یہ منشائے الٰہی کے خلاف ہوتا تو اس پر بھی ضرور آیت اُترتی۔ انہوں (امام غزالیؒ) نے Logically لکھا ہے کہ یہ سب کچھ صحیح ہے۔ لیکن بس مولوی اپنے انداز سے بات کرتے ہیں۔ ایک دفعہ باباجیؒ ادھر چکلالہ میں آئے ہوئے تھے تو میرے پاس ٹھہرے۔ شام ہوئی تو فرمایا کہ باہر سیر کو چلتے ہیں۔ ہم باہر نکل پڑے۔ ایسے ہی وہاں Family planning کی بات شروع ہو گئی۔ اس وقت میرے دو بچے تھے یا تین تو فرمایا کہ بس اتنے ہی کافی ہیں۔ دو تین بچے کافی ہوتے ہیں۔ خوامخواہ کے Problem ہوتے ہیں۔ کہنے لگے کہ ہماری اماں بھی Family planning کرتی تھیں۔

سونا تولتے ہیں تو ایک رتی (Ratti) ایک پیمانہ ہوتا ہے۔ ایک رتی سرخ رنگ کی ہوتی ہے۔ پنجابی میں سرخ رنگ کو 'رتی' کہتے ہیں۔ یہ کسی بوٹی کا بڑا Hard قسم کا بیج ہوتا ہے۔ بالکل سرخ رنگ کا ہوتا ہے، اس کے End پر ایک کالا سا داغ ہوتا ہے۔ جو Oval shape کا ہوتا ہے، اسی میں سے یہ بیج لے کر رتی کا پیمانہ (وزن) بنا لیتے ہیں۔ سونا اسی سے تولتے ہیں، یہ رتی Hard ہوتی ہے اسلئے گھستی نہیں ہے۔ یہ رتی As a medicine بھی استعمال ہوتی ہے۔ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اگر عورت ماہواری کے بعد نہا کر ایک دانہ کھا لے، نگل لے تو ایک سال تک اسے حمل نہیں ہوگا، دو کھائے تو دو سال تک نہیں ہوگا، تین کھائے تو تین سال تک نہیں ہوگا۔ بابا جیؒ نے فرمایا کہ اُس وقت یہ محکمہ Family Planning نہیں ہوتا تھا، عورتیں یہ رتیاں استعمال کرتی تھیں۔ کئی عورتوں کا تو Naturally وقفہ ہی تین سال کا ہوتا تھا، وہ بچوں کو دودھ پلاتی تھیں تو ان کو ماہواری آتی ہی نہیں تھی۔ دو سال بچے کو دودھ پلاتیں، دودھ چھڑوا دیا پھر ماہواری آتی اور اس طرح تین سال کا وقفہ Naturally بن جاتا تھا۔ اب سارے System ہم نے خراب کر دیے ہیں۔ بندے کے بھی سسٹم خراب ہو گئے ہیں۔ اب بچہ ابھی چالیسویں میں نہیں پہنچتا، آگے پھر ہو جاتا ہے۔ عموماً Naturally تین سال کا وقفہ ہوتا تھا۔ ہمارے تین چار بچے تھے، سب کے ہاں تین تین سال کا وقفہ Naturally تھا، اور بھی عزیز تھے وہ بھی ایسے ہی تھے۔ مطلب یہ کہ بچے کو دودھ پلاتی تھیں مائیں۔ تین سال کا وقفہ ہو جاتا تھا۔ بابا جیؒ نے کہا کہ ہماری ماں بھی رتیاں استعمال کرتی تھیں۔ بزرگ ایسی باتیں بتاتے نہیں ہیں۔ شرع میں کہتے ہیں کہ شرم نہیں ہے، بتا دینی چاہیے۔

قبلہ محمد صدیق ڈارؒ کا خط بنام: لیاقت علی-چوک اعظم

مورخہ: 26.01.2000

آپ کا خط ملا۔ حاضری قبول ہوگئی۔ جگہ اور مکان کی تبدیلی سے کیفیت بدل جاتی ہے اسی لئے حکم ہے کہ شروع میں ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت ذکر کے لئے مقرر کیا جائے۔ گھر میں چونکہ ذکر اور اللہ اللہ کا ماحول نہیں ہے اور وہاں روحانی لحاظ سے طبیعت مانوس نہیں ہوتی، اس لئے کیفیت بدلی بدلی لگتی ہے۔ اگر وہاں مستقل قیام ہو جائے تو پھر وہاں ہی دل لگ جائے گا۔

سلسلہ میں جتنے بھائی ہوتے ہیں سب ایک جیسے تو نہیں ہوتے۔ جو کوئی جتنی زیادہ شیخ سے محبت کرتا ہے اور اس کی تعلیم پر پختگی سے عمل کرتا ہے اتنی ہی شیخ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ اس طرح ان خاص لوگوں کو خصوصی فیض ملتا ہے۔ ورنہ ایک عام فیض سلسلہ کے ہر رکن کو روز کا روز اس کی کیفیت کے مطابق پہنچتا رہتا ہے کیونکہ شیخ سلسلہ اپنے سارے مریدوں کو جنرل ٹرانسمیشن سے روزانہ فیض پہنچاتا ہے۔ یہ محبت محض اللہ کیلئے ہوتی ہے اس میں دور یا نزدیک رہنے یا ڈیوٹی طور پر خدمت کرنے کا اتنا زیادہ دخل نہیں ہوتا۔ بس جو اللہ کی راہ میں خوب محنت کرتا ہے وہ شیخ کے دل میں بھی بس جاتا ہے۔

حافظ ظہیر کو حفظ قرآن کی کامیابی پر بہت بہت مبارک ہو۔ آپ بھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کو قرآن پر عمل کی توفیق دے اور اپنے اخلاق حضور نبی کریم ﷺ کے سانچے میں ڈھالنے کا شوق نصیب فرمائے۔ (آمین)۔

16 جنوری 2000 بروز اتوار کو مرکز پر عید ملن مجلس میں سماع کی مختصر مجلس بھی ہوئی۔ الحمدللہ خوب رونق ہوگئی۔ اور نئے دوستوں سے بھی پریم کرنے کا موقع ملا۔

والسلام

قبلہ محمد صدیق ڈارؒ کا خط بنام: لیاقت علی-چوک اعظم

مورخہ: 18.05.1999

آپ جس طرح کوشش کر رہے ہیں اللہ ضرور کامیاب کرے گا۔ اور اللہ والے ساتھیوں کا سنگ بنا دے گا۔ آپ واہ کینٹ میں افتخار صاحب کے ہاں جب بھی موقع ملے چکر لگا آیا کریں اور نئے دوستوں کو بھی ساتھ لے جایا کریں۔ اب تو وہاں محمد سعید اور جاوید اقبال صاحب دو نئے بھائی بیعت ہوگئے ہیں الحمدللہ حلقہ کی رونق مزید بڑھ جائیگی۔

ائیر فورس کا محکمہ پاکستان کیلئے باعثِ صد افتخار ہے۔ آپ دل و جان سے ملک و ملت کی خدمت میں لگے رہیں۔ پالیسیاں جو بھی بنتی رہیں آپ نے سروس نہیں چھوڑنی، اللہ کے فضل سے اس میں بہتری ہے۔ خوب دل لگا کر محنت سے اپنی ڈیوٹی سرانجام دیں۔ اسلام کے مطابق یہ عین جہاد ہے۔ اور اطمینان کے ساتھ اللہ اللہ بھی کرتے رہیں۔ ہر حال میں خوش رہنے کی عادت ڈالیں۔ یہ شیطان ہے جو ناشکری کی راہ پر ڈال کر انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس ہر دم زندہ رکھنا چاہیے۔ چاہے وہ ٹھنڈا پانی یا ٹھنڈی ہوا ہی کیوں نہ ہو۔

فقیری کی راہ میں جب سلوک شروع ہوتا ہے تو اس وقت گرما گرمی اور نشہ زیادہ ہوتا ہے۔ جب سالک ان کیفیات کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر یہ چیزیں محسوس نہیں ہوتیں، جب تک ساتھ ساتھ ذکر کی تعداد بڑھاتے نہ چلے جائیں۔ اصل کمال اخلاق و کردار کا تزکیہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا اور اسکی ذات پر توکل رکھنا ہے۔ اور یہ الحمدللہ آپ میں بہت بہتر ہوگیا ہے اور بہتر ہوتا چلا جائے گا۔ اب آپ تہجد اہتمام سے پڑھا کریں اور ذکر کے بعد کچھ دیر سُبْحَانَ اللّٰه کا ذکر بلند آواز اور ترنم کے ساتھ جھوم جھوم کر کریں۔ پھر تھوڑی دیر کیلئے خاموش بیٹھ جائیں اور خیال کریں کہ اللہ تعالیٰ کا نور مجھے چاروں طرف اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید نوازش اور رحمت فرمائے۔'' (آمین) اہل خانہ کو سلام اور دعائیں۔ والسلام!

محنت میں عظمت ھے

(حمید اللہ حمیدیؔ)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ جسمانی قوتیں بھی عطا کر رکھی ہیں تا کہ وہ گردشِ زمانہ کا مقابلہ اور بقائے حیات کا سامان پیدا کرنے کیلئے محنت ومشقت کر سکے۔ جدو جہد زندگی کا دوسرا نام ہے۔ محنتی قومیں اور محنتی لوگ ہی زندگی میں ترقی، عروج اور خوشیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ تگ ودو کرنے والے انسانوں کے آگے بڑھنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ انہیں معاشرے اور خاندان میں عزت وشرف حاصل ہوتا ہے۔ محنت کش کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ پُراعتماد پُرعزم اور پُروقار زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ اپنے قوتِ بازو، عزمِ مصمم اور جذبۂ محنت کے بل پر بازی جیت لیتا ہے۔ آج کی حیرت انگیز سائنسی، صنعتی وتجارتی ترقی، گوناگوں ایجادات وتخلیقات انسان کی مسلسل تگ ودو، جدو جہد اور محنت کا نتیجہ ہے۔

محنت میں اگرچہ تکلیف اور سختی بھی برداشت کرنی پڑتی ہے لیکن جب محنتی انسان کو ثمر شیریں ملتا ہے تو اس کی خوشی دوگنی ہو جاتی ہے اور تکلیف کے بعد اسے وجد آور راحت نصیب ہوتی ہے۔

آج ہمارے ملک میں بوسیدہ اور ناقص نظامِ تعلیم کی وجہ سے ہر سال ہزاروں نوجوان بے روزگاروں کی صف میں شامل ہو رہے ہیں۔ سکولوں اور جامعات سے فارغ ہوتے ہی نوکریوں کی تلاش میں نہ صرف اپنا قیمتی وقت اور صلاحیتیں ضائع کر دیتے ہیں بلکہ دربدر ٹھوکریں کھا کر اپنی عزتِ نفس اور انسانی عظمت کو بھی مجروح کر لیتے ہیں۔ وہ روزی کمانے کیلئے ہاتھ میں ہتھوڑی یا درانتی پکڑنا کسرِ شان سمجھتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: ''جو محنت کش خون پسینہ بہا کر روزی کماتا ہے وہ میرا محبوب بندہ ہے اور میں اس کی محنت کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ انہیں کاوش کا انعام ضرور ملتا ہے''۔

☆"میں بے شک کسی محنت کرنے والے انسان کی محنت ضائع نہیں کرتا۔"

☆"اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتا ہے جو محنت کر کے روزی کماتا ہے"۔

یاد رکھیں! رزق کسی کاہل و بیکار، محنت سے جی چرانے والے کیلئے نہ تو آسمان سے گرتا ہے اور نہ زمین اُگلتی ہے۔ جب تک زمین میں ہل نہ چلایا جائے اس وقت تک فصل نہیں اُگتی۔ جب تک غوطہ زنی نہ کی جائے سمندر کی گہرائیوں سے موتی نہیں ملتے۔ جب تک پہاڑوں کا سینہ نہ چیرا جائے ہیرے حاصل نہیں ہوتے۔ زندگی میں ترقی اور عروج حاصل کرنے اور ستاروں پر کمند ڈالنے کیلئے مسلسل محنت و جدوجہد، قوتِ بازو اور عزمِ صمیم کی ضرورت ہے۔ محنت کش انسان ہی زمین کی نعمتوں، سمندروں کے خزانوں اور پہاڑوں کی دولت سے استفادہ کر کے اپنا نصیب چمکا سکتا ہے اور ربّ کائنات اپنے وعدہ کے مطابق محنتی انسان کیلئے ترقی اور رزق کے ان گنت وسائل اور ذرائع پیدا کر دیتا ہے۔

☆"انسان کو صرف اپنی محنت کا (دنیا اور آخرت میں) پھل ملے گا۔ ہم اُس کی محنت کو دیکھ کر پورا پورا بدلہ (انعام) دیں گے۔" (القرآن)

☆"ہم نے تمہیں زمین میں بسایا اور اس میں تمہارے لئے روزی کے (ان گنت) سامان پیدا کیے۔"

ایک مفکر کا قول ہے: " محنت ہمارے ہاتھ میں ہے اور نصیب اللہ کے ہاتھ میں۔ اس لئے ہمیں محنت سے کام لینا چاہیے جو ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

ایک اور دانشور" رسکن "نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے:

☆"اگر آپ کو علم کی ضرورت ہے تو اس کیلئے بھی محنت ضروری ہے"۔

☆"اگر آپ کو خوراک اور پوشاک کی ضرورت ہے تو اس کیلئے بھی محنت کرنا پڑتی ہے"۔

☆"اگر آپ مسرت چاہتے ہیں تو پھر بھی محنت کرنا ہوگی"۔

گردش تیز ھے ساقی

(واصف علی واصفؒ)

ترقی کا زمانہ ہے،تعمیر کا دور ہے،تیزی کا وقت ہے،تعجیل کی گھڑی ہے۔ہر چیز بھاگے چلی جارہی ہے۔گردشِ زمان و مکاں تیز تر ہے۔انسان مشین ہے،مشین کا پرزہ ہے۔جلد باز ہے،اس کے سامنے لامحدود فاصلے ہیں اور وقت محدود ہے،اس لئے وہ دوڑتا ہے اور دوڑتا ہی چلا جاتا ہے۔انسان کو یہ تو معلوم ہے کہ اسے جلدی جانا ہے۔لیکن کہاں جانا ہے،یہ معلوم نہیں۔

انسان شائد تعمیر حیات کیلئے جلدی کرتا ہے،اسے فوری طور پر زندگی مکمل کرنا ہے اور وہ جلدی جلدی اسے بناتا ہے،بناتے بناتے بگاڑتا ہے اور اس کے ہاتھ سے زندگی یوں نکل جاتی ہے جیسے ہاتھ سے کبوتر اُڑ جائے۔یا ہاتھوں کے طوطے اُڑ جائیں۔

انسان فطرتاً جلد باز ہے،وہ آہستہ روی یا میانہ روی کو برداشت نہیں کر سکتا،وہ ایک ہی دن میں سارے کام ختم کرنا چاہتا ہے۔پورے تیس دن کے طویل انتظار کے بعد اسے تنخواہ ملتی ہے اور اسے وہ ایک ہی دن میں خرچ کر دیتا ہے اور پھر وہی انتظار۔تنخواہ کے علاوہ آمدن کا انتظار۔جائز آمدنی اور نا جائز آمدنی کا انتظار۔۔انسان بھاگتا ہے جیسے اس کے اندر آگ سی لگی ہوئی ہو۔جب خطرہ اندر ہو تو باہر کی رفتار اسے کیسے ٹالے گی؟۔

تیز رفتاری ہی شاید ترقی کا دوسرا نام ہے۔تیز رفتاری نے فاصلے سمیٹ لیے ہیں۔انسان،انسان کے قریب آرہا ہے .... یہ الگ بات کہ وہ اپنے آپ سے دُور ہو رہا ہے۔ہر شے ہر دوسری شے کے قریب ہے۔یہ تیز مسافرت،یہ جہاز،یہ انگلستان،یہ امریکہ،یہ افریقہ،یہ پاکستان اور پھر یہ زندگی اور یہ رہا قبرستان !ہر سفر جلدی کا سفر ہے،کہیں قیام ہی نہیں۔
تیز رفتاری کی منزلوں میں کوئی مقام بھی تو نہیں ..... کہیں کوئی پڑاؤ نہیں،برسوں کی مسافتیں منٹوں میں ہوتی ہیں۔یوں لگتا ہے جیسے چاند،سورج،ستارے،سیارے سب زمین پر اُتر آئے

ہوں۔یا زمین آسمان پر جا پہنچی ہو۔

سائنس نے انسان کو رفتار دی ہے۔لیکن یہ رفتار بے جہت و بے سمت ہے۔آج کی راہیں کوئے جاناں کو نہیں جاتیں۔آج کا انسان اپنے آپ سے فرار چاہتا ہے۔

انسان جلدی جلدی محنت کرتا ہے۔اس آدمی کی طرح جو رسّی بُن رہا تھا اور اسکے پاس اس کا گدھا بُنی ہوئی رسّی کو کھاتا جا رہا تھا۔برسوں کی محنت کے بعد اس کی کل پونجی رسی کا اتنا حصہ تھی، جو اس کے ہاتھ میں تھی۔باقی گدھا کھا چکا تھا۔انسان محنت کرتا جاتا ہے اور اس کی محنتیں مٹتی جاتی ہیں .... اس کا حاصل کیا ہے! اس کی موجود زندگی،باقی سب لامحدود ماضی کی نذر ہو جاتی ہے۔محسوسات سے محروم انسان معلومات کے سفر پر روانہ ہے.....!!انجام نہ جانے کیا ہوگا!

انسان فطرتاً عجول بَروزن جہول ہے۔انسان نے ذرّے کا دل چیر کر طاقت دریافت کی ہے لیکن ذرّے میں طاقت پیدا کرنے والے کو دریافت نہیں کر سکا۔انسان نے آسمانوں کے راستے دریافت کیے ہیں لیکن اسے دل کا راستہ نہیں ملا۔باہر کی کائنات نے انسان کو اندر کی کائنات سے غافل کر رکھا ہے۔

خارجی کائنات میں رفتار ہے، گردشیں ہیں، عجلت ہے، زمان و مکاں کی وسعتوں میں ہر شے تیزی سے متحرک ہے۔انسان اس حرکت سے خود ہی متحرک ہو جاتا ہے۔وہ لپکتا ہے ستاروں پر، وہ دوڑتا ہے سایوں کے پیچھے، بھاگتا ہے سرابوں کے تعاقب میں، وہ چاہتا ہے کہ وہ رازہائے سربستہ معلوم کرلے۔لیکن اسے معلوم نہیں کہ وہ خود ہی کلید اسرار ہے، وہ خود شاہکار تخلیق ہے، حسن لازوال کا مرقع جمال ہے۔جب تک وہ اپنا راز دریافت نہ کرے وہ راز کائنات معلوم نہیں کر سکتا۔اس کا بیرونی سفر تیز رفتار ہے لیکن اندرون کا سفر کسی عجلت کا تقاضہ نہیں کرتا، اس کی باطنی کائنات، داخلی دنیا، ہر بیرونی، ظاہری اور خارجی کائنات سے زیادہ وسیع و عریض ہے۔زیادہ خوبصورت، زیادہ دل چسپ و دل پذیر ہے۔

رفتار کے سفر نے انسان کو اس کے اصل سفر سے الگ کر دیا ہے۔انسان خود ہی روبوٹ

بن کے رہ گیا ہے۔وہ ملک ملک پھرتا ہے،سکون کی تمنا میں،شہر شہر،نگر نگر چھانتا ہے۔دولت کی تلاش میں۔وہ ملکِ دلبری کا راستہ نہیں جانتا، جہاں دولتِ تسکین کے خزانے مستور ہیں۔ تیز رفتار انسان،سایہ دیوار سے محروم ہے۔

آج کا انسان،تمام آسائشوں اور رفتاروں کے باوجود اکابرین سلف کے مقام تک نہیں پہنچ سکا۔دستورِ حیات کی اساس ماضی کے عظیم انسانوں نے رکھی۔آج کی عمارت اسی بنیاد پر قائم ہے۔لیکن آج کا انسان اس عمارت کو جلد مکمل کرنا چاہتا ہے اور تکمیل تہذیب اختتام تہذیب ہے۔

آج کا عجلت باز انسان دنیا کو تیزی سے ایک نئی راہ کی طرف لے جا رہا ہے۔آج کے انسان کو جلد بازی نے ایک عجب خوف میں مبتلا کر رکھا ہے۔یہ خوف محض اندیشہ خیال نہیں۔ یہ خوف ایک حقیقت بن کر اُفق زندگی پر طلوع ہو رہا ہے۔یہ خوف ہے ایک تیسری جنگ عظیم کا، یہ جنگ بین السیاروی جنگ ہوگی۔اور اس جنگ کی تعریف صرف یہی ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد کوئی اور جنگ نہیں۔دنیا میں کوئی انسان ہی نہ ہوگا تو جنگ کون لڑے گا۔کس کے ساتھ،کس کیلئے۔! تیز رفتار ارتقاء بظاہر انسان کو انسان کے قریب لایا لیکن اصل میں خطرہ،خطرے کے قریب آیا ہے۔

انسان کے انفرادی وجود کی طرح،کسی ایک حصے کا حد سے بڑھ جانے کا مطلب وجود کی ہلاکت ہے۔اسی طرح ایک قوم یا ایک سماج کا حد سے نکل جانا وجودِ آدم کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ جہاں رفتار بڑھی ہے وہاں فاصلے بھی کروڑوں نوری سالوں کے ہیں نتیجہ پھر وہی ہوگا،انسان بے بس ہو جائیگا۔ابھی تو یہ کہکشاں بھی انسان کی دسترس سے باہر ہے اور ابھی لاکھوں کہکشائیں ہیں دریافت کرنے والی۔لاتعداد سیارے بھیجے جائیں تو بھی لامحدود فاصلے نہیں مٹتے۔اور انسان کی زندگی۔چند محدود ایام کے علاوہ کچھ نہیں۔ترقی ایک ایسے جہاز کی طرح ہے جو سطح سمندر پر اپنے آپ کو موجوں سے محفوظ کر لیتا ہے۔اس کا سفر تیز رفتار تو ہے لیکن اس جہاز کے نصیب میں منزل کا نام ہی نہیں۔بے نام اور بے نشان منزلوں کی طرف گامزن ہونے والا انسان اپنی رفتار پر کیا ناز کر سکتا ہے۔

گھر سے قبرستان تک کا فاصلہ ہے، کتنی رفتار درکار ہے۔تقریباً پچاس سال کی مسافت ہے۔تیز روّی کیا کرے گی! آج بھی دن چوبیس گھنٹوں کا ہے، سال بارہ مہینوں کا۔موسم اپنی پرانی رفتار سے بدلتے ہیں، بچپن اپنی رفتار سے کٹتا ہے، جوانی کے ایام اپنی رفتار سے گزرتے ہیں اور پھر بڑھاپا، انسان کو کوئی رفتار بھی تو پناہ نہیں دے سکتی۔وہ سمندروں میں یا سیاروں میں چھپ جائے تو بھی اسے زندگی کا قرض واپس کرنا ہے۔سانس کی ڈوری راستے میں ہی کٹتی ہے۔ انسان کے گرد مجبوریوں اور پابندیوں اور سست روی کا حصار ہے۔اس کی تیزی اسے ہلاک کر رہی ہے۔وہ جتنی تیزی سے علاج دریافت کرتا، اتنی ہی تیزی سے نئی بیماری پیدا ہو جاتی ہے، عجب حال ہے اس جلد باز مسافر کا....... بُرا حال ہے اس تیز رفتار شکار کا۔انسان بھاگتا ہے لیکن کب تک؟ آخر انہونی ہو کے رہتی ہے۔نامعلوم اور بے سمت فاصلوں کا تیز رفتار مسافر خاموشی سے موت کی آغوش میں سو جاتا ہے۔

ترقی، یا ترقی پسندی یا ارتقاء نے انسان کو کیا دیا ہے۔آفرین ہے انسان کی تیز رفتاریوں پر....... تحسین ہے تعجیل کے پجاریوں کیلئے۔رفتار حد سے نکل گئی۔

تیز زندگی۔تیز تر گردشِ خون، آخر رنگ لاتی ہے۔انسان تو ارتقاء کے امتحان میں پاس ہو جاتا ہے۔بس صرف ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔

آج کا معاشرہ، تیز رفتار معاشرہ، انسانی قدروں کا قبرستان ہے، بشر کی کوئی صفت آج کے بشر میں نہیں۔فطرت کے قوانین توڑنے والا انسان دراصل خود کو توڑ رہا ہے اور جلدی جلدی توڑ رہا ہے۔ابھی وقت ہے کہ وقت کی رفتار کے ساتھ چلا جائے۔بے موسم پھل اور بے وقت حاصل آخر انسان کو نقصان پہنچائیں گے۔فصلوں کو جلد از جلد اُگانے کی کوشش زمینوں کی توانائی ختم کر رہی ہے! اور اس طرح حاصل ہونے والے اجناس اور پھل بے ذائقہ ہی نہیں، نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔رفتار وہی بھلی جس سے سانس نہ پھولے۔

تصوّف کی دنیا

(محمد عامر خاکوانی)

ہمارے ہاں تصوف کے حوالے سے اس قدر گرد اُڑائی جا چکی ہے کہ اس کی اصل شکل بڑی حد تک نظروں سے اوجھل ہوگئی۔اس میں خاصا حصہ آج کل کے پیر صاحبان، گدی نشینیوں کا بھی ہے۔ان لوگوں کا طرزِ عمل، لائف سٹائل اپنے اکابرین سے یکسر مختلف ہے۔ان کے بزرگ تو تمام عمر اپنی خانقاہ میں خلقِ خدا کی خدمت کرتے رہے۔دور دراز سے مصیبت زدہ لوگ سکون کی تلاش میں آتے،آنے والے مسافروں کے ہاتھ دھلوانے،ان کے سامنے کھانا چننے،حتیٰ کہ ان کے تھکے ہارے جسم کو دبانے تک کو کوئی عار نہ سمجھتے۔ان خانقاہوں میں شاہ ہو یا گدا،امیر ہو یا غریب،مسلم ہو یا غیر مسلم سب کا درجہ برابر تھا۔سب کو مساوی توجہ ملتی۔ان پریشان حال لوگوں کی بات پوری توجہ سے سنی جاتی،ان کے لئے دل کی گہرائیوں سے دُعا کی جاتی، جو کچھ مقدور ہوتا، مدد بھی کی جاتی، یوں وہ ڈیرے سکون اور شفاء کے مراکز بن چکے تھے۔حقیقت مگر یہ ہے کہ وہ خانقاہیں اُجڑ گئیں، وہ لوگ چلے گئے، جن کی روشنی تاریک دلوں کو بھی منور کردیتی تھی۔ان کی جگہ دنیا پرستوں نے لے لی۔ماضی کے بزرگوں کے وارث آج گدی نشیں پیر بن بیٹھے۔وہ جو خود کو لوگوں کا خادم سمجھتے تھے،ان کے ورثاء آج فخر سے مخدوم کہلاتے ہیں۔نذرانے، جائیدادیں، روپیہ پیسہ، شان و شوکت تو اب یہاں ہے۔خلوص سچائی، ایثار، سادگی اور عرفان مدتوں پہلے رخصت ہوگیا۔

تصوف دراصل ریفارم کی تحریک ہے جسے (Revivalist Movement) کہنا غلط نہ ہوگا۔جب صحابہؓ کے دور کے بعد اُمت میں دنیا کا غلبہ ہونے لگا، دنیاوی عیش و عشرت بڑھی ،اور دین کی اصل روح ختم ہونے لگی تو بعض بزرگوں نے عزیمت کی زندگی پر دوبارہ لانے کے لئے تصوف کے انسٹی ٹیوشن کی بنیاد ڈالی۔جس کا بنیادی مقصد احسان کی کیفیت طاری کرنا تھا۔

احسان یہ ہے کہ بندہ اس طرح سے اللہ کی عبادت کرے جیسے وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔کامل بزرگ دراصل احسان کی یہی کیفیت سالک میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔تصوف پر بعض اعتراضات کیے جاتے ہیں جو دراصل اس میں درپیش آنے والی بعض غلط اقسام کے مطالعے کے باعث پیدا ہوئے۔حالانکہ تمام جید صوفیوں نے خود تصوف کی حقیقی شکل سے ہٹنے والی کسی بھی شکل کو رد کیا اور ان کے خلاف قلم اُٹھایا۔صوفیوں کے سرخیل حضرت جنید بغدادی کا مشہور قول ہے: ''ہماری دو ہی قوتیں ہیں، ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول ﷺ۔ان سے باہر تیسری قوت میں حرکت کرنا حرام ہے۔'' پھر ہوا یوں کہ ارباب تصوف پر جب اللہ کے ساتھ تعلق کے رنگ ظاہر ہوئے، ان میں سے بعض نے اپنے احوال قلبی یا روحانی وارداتیں بیان کیں تو بہت سوں کیلئے ان لطیف تجربات اور مشاہدات کو سمجھنا مشکل ہو گیا۔سچ تو یہ ہے کہ تصوف کے سسٹم کے اندر آئے بغیر ان تجربات، کرامتوں اور وارداتوں کی معنویت سامنے نہیں آسکتی۔ہم کتابوں میں مراقبہ، کشف اور علم لدنی کی دوسری اصطلاحات کو پڑھتے تو ہیں، مگر حقیقی طور پر سمجھ نہیں پاتے۔بدقسمتی یہ ہوئی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تصوف کا اصل مقصود یعنی عزیمت والی زندگی گزارنے کا قرینہ پیچھے چلا گیا اور کشف، کرامات، نگاہ مومن اور وظائف جیسے بظاہر پر کشش اجزا غالب ہو گئے۔آج کا تصوف وظیفوں اور کشف و کرامات کا نام بن کر رہ گیا۔ یہ ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ تصوف کی داخلی دنیا سے کوئی بزرگ سامنے آئے اور تصوف کی تعلیمات پر چھائی گرد جھاڑ کر اصل روح سامنے لے آئے۔سید سرفراز شاہ صاحب اپنی کتاب کہے فقیر میں تصوف کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

''تصوف دراصل نام ہے روحانی ارتقاء کی منازل طے کرنے کا۔اس روحانی ارتقاء کو جاری رکھنے کے سلسلے میں جو کوشش اور جدوجہد کرنی پڑتی ہے، اسے اصطلاحی طور پر تصوف کا نام دیا جاتا ہے، تصوف وہ ہے جس میں بدعتوں کی آمیزش نہ ہو اور وہ شریعت سے ٹکراؤ نہ رکھتا ہو۔ جو لوگ شریعت پر آسانی سے عمل نہیں کر سکتے، تصوف انہیں ایسی روحانی قوت بخشتا ہے جس کے

باعث وہ شریعت کی مشکلوں پر آسانی سے عمل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔تصوف دراصل ایک درمیانی واسطہ ہے۔جس طرح ایک شخص بلند سیڑھی پر نہیں پہنچ سکتا،تو اس کے درمیان میں ایک عارضی سٹیپ اور بنا دیا جائے تا کہ آسانی سے سیڑھی چڑھ سکے۔"

تصوّف کے متعلق خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کا فرمان

عرفان بالقائے باری تعالٰی کے ذریعہ ایمان کامل پیدا کرنے کا سوال سامنے آتے ہی ہم اپنے آپ کو ایک ایسے علم سے دوچار پاتے ہیں جس کا نام **تصوّف** ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتداء میں کئی صدیوں تک جب حکومت کے نشہ اور دولت کی بہتات سے عامتہ المسلمین کے صراط مستقیم سے بھٹک جانے کا خطرہ لاحق تھا،تصوف اور صوفیاء کرام نے ان کو راہ راست پر قائم رکھنے میں حصہ لیا،لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ آخری صدیوں میں مسخ شدہ تصوف اور علم سے بے بہرہ صوفیوں کی لایعنی اور خلاف قرآن تعلیم سے جو نقصان عظیم ملت اسلامیہ کو تصوف سے پہنچا ہے وہ اور کسی بات سے نہیں پہنچا۔

(اقتباس از تعمیر ملت)

معبودِ حقیقی

(عرفان الحق)

خطبہء حجۃ الوداع پر گفتگو کرتے ہوئے دو باتیں ہمارے سامنے آئیں: ایک تو رسول اکرم ﷺ نے اس خطبے میں یاایھا الناس کا لفظ استعمال فرمایا یعنی تمام انسانوں کو مخاطب فرمایا، صرف مسلمانوں کو مخاطب نہیں فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کو پروردگارِ عالم نے مبعوث فرمایا تمام انسانوں اور جنوں کیلئے، کوئی علاقہ یا وقت مخصوص نہیں کیا۔ دوسری بات یہ تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس کے بعد شاید ہم اکٹھے نہ ہوسکیں۔" یہ اس بات کی علامت تھی کہ ہر رسول کو آنے والے وقت کے بارے میں بھی پروردگارِ عالم آگاہی عطا فرماتا ہے اور بہت سی باتوں کا ان کو علم ہوتا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں بنیادی طور پر مکمل دین بیان کیا گیا ہے۔ کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جو رسول اکرم ﷺ نے اس میں چھوڑ دیا ہو۔ اگر کوئی شخص بالکل اس کو اپنے پیشِ نظر رکھے اور اس کے مطابق زندگی گزارے تو بہت مشکل ہے کہ اس سے کوئی عمل رہ جائے اور وہ صحیح معنوں میں دین پر عمل نہ کر پائے۔ آپ ﷺ نے واضح فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اس نے اپنے بندے (رسول ﷺ) کی مدد فرمائی اور تنہا اس کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔"

اب یہاں پہلی بات یہ ہے کہ ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے، وہ بالکل تنہا ہے۔ شرک کے معاملے میں تین ہی باتیں سامنے آتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں یکتا ہے، نہ وہ کسی کا باپ ہے، نہ کوئی اس کا باپ ہے۔

دوسری چیز یہ کہ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرنی۔ اس پر زیادہ زور اللہ تعالیٰ نے بھی دیا اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے بھی دیا۔ اس کی بنیاد یہ ہے

کہ دنیا میں جتنی بت پرستی وجود میں آئی ، جتنے معبود لوگوں نے گھڑ لئے ، ایک تو سارے کے سارے انسان، سارے کے سارے مذاہب پہلے مواحد تھے،ایک اللہ تعالیٰ کو ماننے والے تھے۔ انسان کی History میں جتنا آپ پیچھے جائیں گے تو آپ دیکھیں گے وہ سارے ایک اللہ تعالیٰ کو ماننے والے تھے مگر جیسے جیسے کسی کا خوف غالب آتا گیا، کسی کا لالچ غالب آتا گیا، کسی نے بے اطمینانی محسوس کی تو اس دباؤ میں کہیں نہ کہیں انہوں نے خدا گھڑ لئے ، اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے انہوں نے خدا گھڑ لئے۔

خطۂ عرب میں جہاں تین سو ساٹھ کے قریب بت خانہ کعبہ میں تھے، وہاں ایک عرصہ پہلے کوئی بت پرستی کا رواج نہ تھا اور لوگ دینِ حنیف کہہ لیں یا دینِ ابراہیم ، پر قائم تھے۔ تو ساری کی ساری بت پرستی ، ایک سے زیادہ معبود بنانا ، یہ وجود میں آتا ہے خوف یا لالچ کی وجہ سے اگر آپ پر خوف کا غلبہ ہو، آپ کسی چیز سے خوف زدہ ہوں تب معبود بنا لیتے ہیں ۔ کسی کو اپنا حاجت روا سمجھیں، تب معبود بنا لیتے ہیں۔ تو یہ دو چیزیں معبود بنانے میں ہمارے لئے گڑبڑ پیدا کرتی ہیں اب آپ دیکھ لیں کہ ہمارے پڑوس میں ہندوستان ہے ۔ تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں سال کے، کوئی دن خالی نہیں ہے کہ کسی نہ کسی قبیلے، کسی نہ کسی شہر، کسی نہ کسی بستی میں کوئی ان کا، کسی خاص بت کا دن نہ منایا جا رہا ہو۔۔ جسے انہوں نے اپنا بھگوان سمجھا ہوا ہے ۔ اور وہ کیوں سمجھا ہوا ہے۔۔؟ کسی نہ کسی ضرورت کے تحت ۔ اب وہ ناگ دیوتا کی پوجا کرتے ہیں ۔ سانپ سے ڈر لگا، سانپ نے ڈسا، بندہ مر گیا، خوف پیدا ہو گیا ۔ ہاتھی کی پوجا کرتے ہیں اور گنیش دیوتا اسے کہتے ہیں ۔ ہاتھی سے خوف آیا، اس کا حجم دیکھا، اس کا وجود دیکھا، اس کو معبود بنا لیا ۔ پیپل کے درخت کی پوجا کرتے ہیں کہ پیپل کے درخت کو انہوں نے دیکھا کہ اس سے سایہ ملتا ہے اور یہ اینٹوں میں اور بلڈنگوں میں بھی پیدا ہو جاتا ہے، خود بخود بڑھنا شروع ہو جاتا ہے، اس کی انہوں نے پوجا شروع کر دی ۔ لکشمی دیوی ہے ان کی دولت کی ، اس کی پوجا شروع کر دی ۔ اس طرح بے شمار وہ

چیزیں، جن سے خوف یا لالچ پیدا ہوا تو اس کی پوجا شروع کر دی، اس لئے اسلام نے توحید پر بہت زور دیا۔ رسول اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ایک اللہ تعالیٰ ہی کو معبود ماننے پر بہت زور دیا کیونکہ سب سے بڑا مسئلہ ہی شرک کا ہے مگر اس میں ایک سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ ہم ایک معبود کو ماننے پر تب آتے ہیں جب اپنی ساری حاجات، ساری ضرورتیں، ساری تکلیفیں وابستہ کر لیں اللہ تعالیٰ سے۔ ہمارے ذہن میں جب تک یہ پختگی موجود نہ ہو کہ مجھے اولاد دینے والا، نہ دینے والا، زیادہ دینے والا، کم دینے والا، بیٹے دینے والا، بیٹیاں دینے والا، عزت دینے والا، ذلت دینے والا، صحت دینے والا، موت دینے والا، زندگی دینے والا، روزگار میں کمی یا بڑھوتی کرنے والا، حکومت دینے والا، حکومت سے معزول کرنے والا، ہدایت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔۔۔

جب تک یہ بات ہمارے اندر Confirm نہ ہو جائے، ہم صحیح معنوں میں پروردگارِ عالم کو معبود اور واحد نہیں سمجھ سکتے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم شرک سے محفوظ ہیں، شرک سے بچے ہوئے ہیں، صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں مگر کبھی اپنے اندر ٹٹولیں، ڈھونڈیں اور جھانکیں کیا واقعی ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔۔؟ کیا پوری طرح شرک سے محفوظ ہیں؟ کیونکہ معبود ہونے کے ساتھ ایک چیز اور جڑی ہوئی ہے اس سے، جو اس سے پوری طرح وابستہ ہے اور وہ ہے پروردگار عالم کا رب العالمین ہونا۔ چند باتیں ہیں۔۔ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں تنہا ہے، اس کا کوئی باپ بیٹا نہیں ہے، اس جیسا کوئی نہیں ہے، اس کی مثال کسی کو نہیں دی جا سکتی، کسی شبیہ سے اسے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، وہ لازوال ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ وہ واحد معبود ہے۔ اب معبود تو وہ ہوتا ہے جو کچھ دے سکتا ہو، کچھ چھین سکتا ہو۔ اس لئے وہ کہتا ہے کہ میں ربُّ العالمین ہوں۔ جب اپنا تعارف آپ سے کرواتا ہے تو اپنا تعارف رب العالمین کے حوالے

سے کرواتا ہے ۔اگر آپ صحیح معنوں میں اس کو رب مان لیں گے تو پھر آپ صحیح معنوں میں اس کو معبود حقیقی مانیں گے ورنہ آپ سر تو اللہ تعالیٰ کے آگے جھکا رہے ہیں مگر حاجات اس کے علاوہ بھی کہیں نہ کہیں وابستہ کی ہوتی ہیں، کسی اور کو یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ میری ضرورتیں پوری کرنے والا ہے ۔تو جب تک آپ اللہ تعالیٰ ہی کو رب نہیں سمجھ لیتے عملاً ۔۔ زبانی ہم سب سمجھتے ہیں ۔ عملاً ۔۔۔اس وقت تک آپ اس کو صحیح معنوں میں معبود حقیقی سمجھ سکتے ہیں۔

بہت سے دوکاندار ہیں جو یہ کہتے ہیں، جیسا میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے، میرے جیسے اور بہت سے دوستوں نے سنا ہوگا کہ یار جھوٹ نہ بولیں تو کام ہی نہیں چلتا۔ وہ عبادت اللہ تعالیٰ کی کر رہے ہیں مگر یقین اُن کا یہ ہوگیا ہے ایک باطل پر یقین ہوگیا جو پکا باطل ہے کہ ان کا کام نہیں چلتا جھوٹ کے بغیر ،ملاوٹ کے بغیر ،نمبر دو سودا بیچے بغیر اور کوئی ایسی ہیرا پھیری کیے بغیر ،اب وہ عبادت کر رہے ہیں اور معبود اللہ تعالیٰ کو سمجھ رہے ہیں ۔اب یہ دیکھیں کہ وہ عملاً کیا کر رہے ہیں؟ کیا انہوں نے اپنا رب جھوٹ کو نہیں بنالیا کہ وہ جھوٹ بولیں گے تو روزگار چلے گا۔تو رب کون ہوا اُن کا؟ رب کا مطلب ہے دینے والا اور چھیننے والا، پالنے والا۔تو اُن کا رب وہ جھوٹ ہوگیا تو عبادت کس کی کی جارہی ہے ۔۔۔۔۔۔؟

تو معبود حقیقی تک پہنچنے کے لیے، صحیح معنوں میں پروردگار عالم کو ہی اپنا معبود سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنا رب اللہ تعالیٰ کو سمجھیں ہم نے بے شمار رب گھڑے ہوئے ہیں انڈیا میں خاص طور پر لوگ بڑا مذاق اُڑاتے ہیں ہندو اس معاملے میں کیونکہ اب یہ بات ایسی آجاتی ہے موقع پہ آگئی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم کھڑا کر کے پوجتے ہیں اور آپ لٹا کے پوجتے ہیں آپ ہمیں کیا تبلیغ کرتے ہیں، ہماری بدقسمتی یہ ہے ۔کم علمی یہ ہے کہ ہم نے اپنی حاجات

جوزندہ انسان ہیں، اُن سے بھی وابستہ کر رکھی ہیں۔ جو حکمران ہیں اُن سے بھی وابستہ کر رکھی ہیں سیاستدانوں سے وابستہ کر رکھی ہیں۔ پیسے والوں سے وابستہ کر رکھی ہیں والدین سے وابستہ کر رکھی ہیں۔ اس کے علاوہ جو لوگ دنیا سے گزر گئے ہیں جو پردہ کر گئے ہیں، جو آج قبروں میں سوئے پڑے ہیں ان سے بھی وابستہ کر رکھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے عظیم بزرگ اللہ کے دوست، اللہ کے ولی، اُن سے بھی ہم اپنی حاجات کو وابستہ کرتے ہیں اور پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ ربّ العالمین کے ہم ماننے والے ہیں اور ایک معبود کو مانتے ہیں۔۔۔ تو معبود کو ماننے کے لیے ضروری ہے کہ آپ صرف پروردگار عالم کو اپنا حاجت روا سمجھیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی حاجت روائی کا درجہ دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک سے زیادہ ربّ ہیں آپ کے تو جب ایک کے علاوہ ربّ ہیں تو معبود بھی زیادہ ہوئے کیونکہ معبود وہی ہوتا ہے جو ربّ ہو، جو آپ کو دے سکتا ہو، جو آپ سے چھین سکتا ہو، جو آپ کو پالنے والا ہو، وہ ہی آپ کا معبود حقیقی ہے۔ اگر یہ قوتیں نہ رکھتا ہو تو معبود نہیں ہوسکتا، اس کی عبادت کرنے کی ضرورت نہیں۔ تو حاجت روائی جو ہے اس کے بارے میں اپنے ذہن اور اپنے دل و دماغ کو Clear کرلیں۔ اگر ایک معبود سمجھنا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاجت روا نہ سمجھیں کیونکہ کوئی بھی انسان کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو، آخر اس نے جانا ہے اور اس کی سانس کا نظام جو ہے وہ بند ہو جانا ہے۔ کائنات میں کوئی ایسا وجود اب تک نہیں آیا خواہ وہ جنات میں سے ہو، انسانوں میں سے ہو، حیوانات میں سے ہو کہ جس کا نظامِ تنفس جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ختم نہ کیا گیا ہو۔ اس کی زندگی بھی اللہ تعالیٰ کی مرہونِ منت، اس کا کھانا پینا بھی پروردگارِ عالم کی طرف سے اور وہ ہی رزاق ہے، وہ ہی دینے والا ہے۔ تو اس لئے معبود کو اگر آپ ماننا چاہتے ہیں، ایک معبود کو ماننا چاہتے ہیں، اسی کے آگے سر جھکانا چاہتے ہیں تو ایک بات اپنے ذہنوں میں پختہ کرلیں کہ آپ ایک ربّ العالمین کو مانیں گے۔ اپنے تمام معاملات، رزق کے معاملات، شادی بیاہ کے معاملات، اولادوں کا ہونے یا نہ ہونے کے

معاملات، آپ کی صحت کے معاملات وابستہ کرلیں اللہ تعالیٰ سے اور خود پروردگار عالم کہتا ہے کہ کوئی ایسی مصیبت نہیں اور کوئی ایسی راحت نہیں جو میرے علاوہ تمہیں کوئی پہنچا سکتا ہو اور اگر آپ معبودِ حقیقی کو ماننا چاہتے ہیں تو پروردگار عالم کے جتنے Claims ہیں، ان سب کو عملاً مان لیں۔

ہمارے حکمرانوں کی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ کہتا ہے کہ جس کو چاہتا ہوں حکومت دیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں معزول کرتا ہوں۔ ان کے ذہن میں یہ ہے کہ امریکہ حکومت دیتا ہے اور امریکہ ہی معزول کرتا ہے۔ تو جب ہم اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کو نہیں مانتے تو معبود کیسے مانتے ہیں؟ کیا صرف فیشن پورا کر رہے ہیں اس کے آگے سر جھکا کر۔۔۔؟ کیونکہ پروردگار عالم کو صرف آپ کا زمین پر یہ سر جھکا لینا منظور نہیں ہے۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ اپنے فیصلے میرے حضور Surrender کردو۔ اسلام کا مطلب لوگوں نے سلامتی سمجھا ہوا ہے۔ اسلام کے بنیادی معنی ہیں "سر جھکا لینا"۔ اسلام کے پورے معانی ہیں "سر کو جھکا لینا۔" تو سر کو جھکانے کا مطلب ہوتا ہے تابعداری۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہم کرتے نہیں اور معبود مانتے ہیں کتنے بڑے دھوکے میں مبتلا ہیں کہ سود دے رہے ہیں، سود لے رہے ہیں، کھا رہے ہیں، لوگوں کے مال پر غاصبانہ قبضہ کیا ہوا ہے، بہنوں کو ان کا حصہ دیتے نہیں، زمین کی دو فٹ جگہ مل جائے تو Encroachment چھوڑتے نہیں، فوراً دیوار توڑ کے آگے بڑھا لیتے ہیں اور معبود اللہ تعالیٰ کو مان رہے ہیں، سجدے اس کو کر رہے ہیں، احکامات مانتے نہیں اس کے۔ جس کو معبود مانا جائے، اس کے تو احکامات مانے جاتے ہیں، اس کی تو شرط فرمانبرداری ہے، اس کو تو ربّ مانا جاتا ہے۔ ربّ یہ کہتا ہے کہ میں عزت نہ دوں تو تمہیں کوئی دے نہیں سکتا اور میں ذلیل نہ کرنا چاہوں تو تمہیں کوئی کر نہیں سکتا۔ تمہیں اولاد بھی میں دیتا ہوں، بیٹے بھی میں دیتا ہوں، رزق بھی میں دیتا ہوں، رزق کو بڑھاتا بھی میں ہوں۔ ہمارے پاس یہاں لوگ آتے ہیں بندہ یہ کہتا ہے کہ جناب مجھ پر

جادو ہو گیا ہے ۔میرا کسی نے کاروبار باندھ دیا ہے ۔جی ہمارا تو بچہ نہیں ہو رہا، جادو ہو گیا ہے، جادوگر نے میری بیوی کی کوکھ باندھ دی ہے ۔اب ہماری اولاد نہیں ہو گی ۔ایمان ہمارا یہ ہے اور پھر ہم کہتے ہیں کہ ہمارا ایک معبود ہے، ہم ایک اللہ تعالیٰ کے ماننے والے ہیں، اس کے آگے سر جھکاتے ہیں ۔کیوں اللہ تعالیٰ سے فراڈ کرتے ہو ظالمو! یہ Acting نہیں چاہیے اللہ تعالیٰ کو کہ رکوع وسجود اور قیام ۔۔اور مانتے ہو جادوگروں کو، مانتے ہو دوسری طاقتوں کو اور کہتے یہ ہو کہ معبود اللہ تعالیٰ ہے ۔ہرگز اللہ تعالیٰ کو آپ لوگ معبود نہیں مان رہے ۔اللہ تعالیٰ کو جس دن معبود مان لو گے تو جو مصیبت آئے گی، اس کو من جانب اللہ تعالیٰ سمجھو گے ۔جو راحت آئے گی، اس کو منجانب اللہ تعالیٰ سمجھو گے ۔جب رسول اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینے تشریف لے گئے تو شروع شروع میں مدینہ میں یہ بات پھیلا دی گئی کہ مسلمان عورتوں کی کوکھ یہودی جادوگروں نے باندھ دی ہے، اب ان کے ہاں کوئی بیٹا پیدا نہیں ہو گا ۔تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پہلے بچے تھے، جو مدینہ میں پیدا ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ " کوئی کسی کی کوکھ نہیں باندھ سکتا ۔جس روح نے آنا ہے اس نے آنا ہے اور جس کے گھر آنا ہے، اس کے گھر آنا ہے ۔" تو اس بات کا مقصد یہ ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک معبود کی عبادت کرو تو بنیادی بات سمجھائی تھی، وہ یہی تھی ۔

اور پھر آپ ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا ۔۔" یہ جتنی صفاتِ الٰہیہ ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں ۔جب وہ یہ کہتا ہے کہ میں رزق دینے والا ہوں تو یہ اس کا وعدہ ہے رزق دینے کا اور جب ہم اپنی چالاکیوں سے حاصل کرنا چاہتے ہیں اسی رزق کو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے وعدے پر یقین نہیں رکھتے اور کملی والے ﷺ فرما رہے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا" کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے پورے کرتا ہے ۔اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے پورے کرتا ہے ۔جو جھوٹا ہو، وہ رب نہیں ہو سکتا ۔جو جھوٹا ہو، وہ معبود نہیں ہو سکتا کیونکہ جھوٹے کو تو زوال ہے ۔

تو پروردگارِ عالم کے بارے میں رسول اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ "اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔"

دوسری بات ۔۔آ گے فرمایا ہے "اس نے اپنے بندے (رسول ﷺ) کی مدد فرمائی" اور تنہا آپ ﷺ کی ذات اقدس نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا، یعنی وہ اتنا طاقتور ہے کہ تمام باطل قوتیں اکٹھی ہو جائیں تو وہ اکیلا ان سب کے لئے کافی ہے۔ہم اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل کے لئے باطل قوتوں کا سہارا لیتے ہیں، جب کہ کملی والے ﷺ ہمیں سمجھا رہے ہیں کہ باطل قوتیں اس اکیلے کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔اگر آپ واقعی اس کو معبودِ حقیقی مانتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے جتنے Claims ہیں، جتنے دعوے ہیں، جتنے وعدے ہیں، ان کو ماننا پڑے گا۔اگر آپ ان کو نہیں مانتے، ان کے بارے میں یقین کامل نہیں رکھتے تو میرا خیال یہ ہے کہ آپ عبادت صرف فیشن کے لئے کرتے ہیں۔اسی لئے آپ آج دیکھ لیں کہ جب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "ایک روز ایسا آئے گا کہ کافر ملک، کافر لوگ، کافر قوتیں مسلمانوں پر ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جیسے تم دستر خوان پر کھانے کیلئے کسی کو دعوت دیتے ہو"۔ تو صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ "یا رسول اللہ ﷺ کیا اس وقت ہماری تعداد قلیل ہوگی؟" فرمایا: "نہیں تم تعداد میں بہت زیادہ ہوگے مگر تم میں **وھن** پھیل جائے گا"۔(یہ منافقت کی علامت ہوتی ہے) (رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ منافق کی پہچان کیا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو پورا نہ کرے، اور امانت دی جائے تو خیانت کرے"۔ اب آپ بتائیں! ہم سارے کے سارے اپنے گریبان میں جھانک کے دیکھیں، ہم میں سے کون ہے ایسا جو اس پر پورا نہیں اترتا۔اور پھر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری تائید اور نصرت کیلئے غیر معمولی طور پر ہماری مدد فرمائے۔کس بنیاد پر چاہتے ہیں؟۔کیا صرف اس لئے کہ ہم کلمہ گو ہیں اور لا الٰہ الا اللّٰہ مُحمد رَسُوْلَ اللّٰہ پڑھتے ہیں۔حالانکہ اس کلمہ پڑھنے کی وجہ سے ہمیں سزا زیادہ ملنی چاہیے۔اس لئے کہ جو کلمہ گو نہیں ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے

کوئی وعدہ نہیں کر رہا جو کلمہ نہیں پڑھ رہا وہ غیر مسلم ہے، مشرک ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ نہیں کر رہا اور ہم کلمہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتے ہیں کہ تیرے علاوہ کوئی الٰہ نہیں ہے اور تو ہی واحد معبود ہے اور رسول اکرم ﷺ تیرے سچے رسول ہیں۔ وعدہ کرتے ہیں اور جب ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام خداؤں کی نفی کرتے ہیں، تمام معبودوں کی نفی کرتے ہیں تو ہم پر کتنی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ واحد اور لاشریک کی عبادت کے حوالے سے اس کو معبودِ حقیقی ماننے کے حوالے سے، اس کلمہ کوئی سے ہم پر کتنی ذمہ داری لاگو ہوتی ہے؟ کبھی سوچا ہے۔۔؟ اور اس کے بعد ہم کوئی وعدہ پورا نہیں کر رہے۔ اس کلمے کا حق ادا ہی نہیں کر رہے اور چاہتے یہ ہیں کہ پروردگار عالم، کفار اور مشرکین کے خلاف ہماری مدد فرمائے۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے قانون بڑے اٹل ہیں، بڑے حقیقی ہیں۔ ہم نے بہت سے بت پال رکھے ہیں۔ جو سب سے بڑا بت ہم نے پال رکھا ہے، وہ اپنی انا کا بت ہے سب سے زیادہ پوجا تو ہم اپنی انا کی کرتے ہیں۔ اگر ہمارے بڑے بڑے لوگ انا کی پوجا چھوڑ دیں تو نفاق ختم ہو سکتا ہے، گروہ بندیاں ٹوٹ سکتی ہیں۔

پروردگار عالم کو معبودِ حقیقی آپ سمجھنا چاہتے ہیں تو اس کو صحیح معنوں میں اپنا رب تسلیم کر لیں۔ اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کو عملاً اپنا رب تسلیم کر لیا۔۔ زبانی تو ہم سب کرتے ہیں کیونکہ سورۃ فاتحہ ہم ہر نماز میں پڑھتے ہیں، نوافل میں پڑھتے ہیں، قرآن حکیم کی تلاوت میں پڑھتے ہیں مگر عملاً رب نہیں مانتے۔ عملاً ہمارے رب کسی نہ کسی شکل میں انسان ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح بات سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)۔

☆☆☆☆☆

والدین کے حقوق

(پیرخان توحیدی)

اپنی جنت کو خدا کے لئے تو دوزخ نہ بنا
اپنے ماں باپ کا تو دل نہ دکھا دل نہ دکھا

معاشرتی زندگی کی اکائی خاندان ہے اور خاندان کا قیام واستحکام والدین کے احترام کے بغیر ممکن نہیں۔ انسان پر جو حقوق واجب ہیں ان میں ایک حقوق العباد بھی ہے۔ اس میں سب سے پہلا حق رسول ﷺ کا ہے پھر آپ ﷺ کے بعد نسبتی اور خونی رشتہ کا درجہ آتا ہے جس میں ماں باپ، بیٹے بیٹیاں، بہن بھائی اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق کا درجہ ہے، لیکن ہم جب معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ ایسے بہت کم لوگ ہیں جو والدین کے حقوق کا خاطر خواہ خیال رکھتے ہیں۔ والدین کے حقوق کا خیال تو درکنار ان کے حکم کی نافرمانی میں ذرہ برابر بھی شرم وندامت محسوس نہیں کرتے۔ کچھ حضرات تو ایسے بھی ہیں جو اپنی بیویوں کو خوش کرنے کے لئے والدین کی بے عزتی اور زبان درازی سے بھی باز نہیں آتے اور اسے اپنا بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں۔

شرعی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اللہ رب العزت اور اس کے محبوب سرکار دو عالم ﷺ کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ ادب واحترام اور حسن سلوک کے حقدار والدین ہی ہیں۔ قرآن شریف میں اکثر مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی واحدانیت کے ساتھ ساتھ والدین کے ساتھ حسن سلوک خوش اسلوبی فرمانبرداری احسان شناسی اور شکر گزاری کا بھی درس دیا ہے جس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں والدین کا رتبہ کیا ہے اور ان کا مقام کیا ہے۔ والدین سے حسن سلوک کو اسلام نے اپنی اساسی تعلیم قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں سماجی اور معاشرتی سطح پر والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ اور متعدد مقامات پر اس حق کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیک سلوک کا حکم دیا۔

تمام مخلوقات میں ماں باپ کا حق کسی بھی انسان پر سب سے بڑھ کر ہے جو ایک مثالی معاشرے کے قیام کے لئے ایک اہم عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔قرآن پاک میں والدین کے حقوق کو واضح کرتے ہوئے محض بھلائی اور احسان کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ قانونی طور پر والدین کے حقوق کا تعین بھی فرمادیا۔اسلامی تعلیمات میں والدین کے حقوق کی ادائیگی اور ان سے حسن سلوک کو خاص اہمیت دی گئی، والدین کو جھڑکنے اور ان سے اکتاہٹ کا اظہار کرنے سے سختی سے منع فرماتے ہوئے ہر مقام پر ان کا ادب کرنے اور ان کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں رحم کی دعاء کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ارشاد فرمایا اور آپ کے رب کا فرمان ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کیا کرو۔اور تمھارے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو اف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو بلکہ ان سے ادب کے ساتھ بات کرو اور اپنے بازو نہایت عاجزی اور نیازمندی سے ان کے سامنے جھکا دو اور ان کے لئے دعاء کرو کہ اے میرے پروردگار تو ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں (محبت اور شفقت سے) پالا تھا (الاسرا 24 ,23)

اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کے باوجود دورحاضر کے تعلیم یافتہ اور اعلیٰ عہدہ یا ملازمت پانے والی اولاد نہ صرف اپنے عزیز و اقارب اور خاندان سے کٹنے لگی ہے بلکہ جن والدین نے شب و روز محنت اور مشقت کر کے انہیں لکھایا پڑھایا وہی انہیں حقیر لگنے لگے ہیں۔والدین کی معمولی غلطی غیر ضروری کلمات یا حرکات جو بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے قدرتی ہوتے ہیں اب اولاد کو برگشتہ کرنے لگے ہیں اور وہ ان سے دوری اختیار کرتے ہیں حتیٰ کہ انہیں الگ کر دیا جاتا ہے بہت سی اولادیں ایسی بھی ہیں جو محض اس لئے والدین سے رشتہ منقطع کر دیتے ہیں کہ وہ جاہل اور کم پڑھے لکھے ہیں جن کی وجہ سے ان کی ماڈرن تہذیب اور اعلیٰ طرز کے رکھ رکھاؤ میں فرق پیدا ہوتا ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ والدین ان کی ذاتی زندگی میں دخل انداز ہوں اس لئے وہ انہیں اپنے سے دور رکھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

ادھر والدین ہیں کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود وہ اپنی اولاد کو بُرا کہنا گوارا نہیں کرتے بلکہ تعریف ہی کرتے ہیں کیونکہ اولاد ان کے جگر کا ٹکڑا ہوتی ہے اور یہ ٹکڑا کتنا ہی فریبی، احسان فراموش اور خود غرض اور مفاد پرست ہی کیوں نہ ہو ماں باپ کی نظر میں وہ معصوم اور بے گناہ ہی ہوتا ہے۔

اولاد کو بھی یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے ایک مدت ہوتی ہے اگر وہ اس حد سے تجاوز کر جائے تو ماں کے دکھے دل سے نکلی ایک آہ بد عا بن کر ہنستے کھیلتے پھلے پھولے گلستان کو تباہ و برباد کر سکتی ہے والدین چاہے کتنے ہی غریب مفلس کمزور اور لاچار کیوں نہ ہوں وہ ہمیشہ اپنی محنت مشقت سے اپنا پیٹ کاٹ کر اپنے بچوں کا پیٹ بھرتے ہیں مگر آج معاشرے کا حال یہ ہے کہ پانچ چھ بچے مل کر بھی اپنے والدین کو سہارا دینے میں ناکام ہو جاتے ہیں اور ان کے لئے ان کے والدین ایک بہت بڑا مسئلہ بلکہ ایک بہت بڑا بوجھ اور مصیبت بن جاتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے والدین کا اتنا بڑا رتبہ اور مقام مقرر کر دیا ہے تو پھر اولاد کو بھی چاہیے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آ کر جنت کے مستحق بن جائیں۔ حضور ﷺ نے رسوم جاہلیت میں جکڑے معاشرے کو والدین کے احترام کا وہ درس دیا جس کی مثال نہیں ملتی قرآن حکیم نے والدین کے ساتھ مطلوبہ سلوک بیان کرنے کے لئے احسان کی جامع اصطلاح استعمال کی جس کے معنی کمال درجے کے حسن سلوک کے ہیں اس میں معاشی معاشرتی نگہداشت اور اطاعت بھی شامل ہے آپ ﷺ نے والدین کے بلند مرتبے کا تعین فرما کر اسلامی معاشرے کے استحکام کی اساس فراہم کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جنت ماں کے قدموں تلے ہے اور باپ جنت کا دروازہ ہے۔ والدین کے ادب و احترام کا یہ ملکوتی تصور دے کر آپ نے معاشرے کو وہ درس دیا جس پر عمل کر کے معاشرہ شکست و ریخت اور انتشار و افتراق سے کلی طور پر محفوظ رہ سکتا ہے۔

امام بخاریؒ ماں کی شان میں گستاخی کرنے والے کے بارے میں اپنی کتاب المفرد میں لکھتے ہیں کہ ایک قبرستان میں مغرب کے بعد ایک قبر پھٹتی تھی اس میں سے ایک شخص نکلتا جس کا سر گدھے کی مانند ہوتا۔ وہ گدھے کی آواز نکال کر چند لمحوں بعد قبر میں چلا جاتا۔ کسی نے لوگوں سے پوچھا

کہ اس قبر والے کے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہو رہا ہے بتایا گیا کہ یہ شراب پیتا تھا جس پر اس کی ماں اسے ڈانٹتی تو کہتا تھا کیوں گدھے کی طرح چلاتی ہے۔

قرطبی نے اپنی اسناد متصل کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ میرے باپ نے میرا مال لے لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے والد کو بلا لاؤ اسی وقت جبرائیل تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ سے کہا جب اس کا باپ آجائے تو اُس سے پوچھیے کہ وہ کلمات کیا ہیں جو اس نے دل میں کہے ہیں۔ خود اس کے کانوں نے بھی ان کو نہیں سُنا۔ جب یہ شخص اپنے والد کو لے کر پہنچا تو آپ ﷺ نے اس کے والد سے کہا کہ کیا بات ہے آپ کا بیٹا آپ کی شکایت کرتا ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کا مال چھین لیں۔ والد نے عرض کی آپ ﷺ اسی سے یہ سوال فرمائیں کہ میں اس کی پھوپھی، خالہ اور اپنے نفس کے سوا کہاں خرچ کرتا ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بس حقیقت معلوم ہو گئی اب کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد اُس کے والد سے دریافت کیا کہ وہ کلمات کیا ہیں جن کو ابھی تک خود تمھارے کانوں نے بھی نہیں سُنا اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر ہمارا ایمان اور یقین بڑھا دیتے ہیں (جو بات کسی نے نہیں سُنی اس کی آپ کو اطلاع ہو گئی جو ایک معجزہ ہے۔) پھر اس نے عرض کیا کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے چند اشعار دل میں کہے تھے جن کو میرے کانوں نے بھی نہیں سُنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ہمیں بھی سُناؤ اس وقت اس نے یہ اشعار سُنائے۔ ترجمہ: میں نے تجھے بچپن میں غذا دی اور جوان ہونے کے بعد بھی تمھاری ذمہ داری اُٹھائی۔ جب تمہیں کوئی بیماری پیش آگئی تو میں نے تمام رات تمھاری بیماری کے سبب بیداری اور بے قراری میں گزاری۔ گویا کہ تمھاری بیماری مجھے ہی لگی ہے تمہیں نہیں۔ میرا دل تمھاری ہلاکت سے ڈرتا رہا حالانکہ میں جانتا تھا کہ موت کا ایک دن مقرر ہے پہلے یا پیچھے نہیں ہو سکتا۔ پھر جب تم اس عمر اور اس حد تک پہنچ گئے جس کی میں تمنا کرتا تھا۔ تو تم نے میرا بدلہ سختی اور سخت کلامی سے دیا گویا کہ تم ہی مجھ پر احسان کر رہے ہو۔

کاش!اگر تم سے میرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں ہوسکتا تو کم از کم ایسا ہی کر لیتے جیسا کہ ایک شریف پڑوسی کرتا ہے تو کم از کم مجھے پڑوسی کا حق تو دیا ہوتا اور خود میرے مال میں میرے حق میں بخل سے کام نہ لیا ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ بوڑھے کے یہ اشعار سن کر رو پڑے۔ بیٹے کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا جا تو بھی اور تیرا مال بھی سب تیرے باپ کا ہے۔ یہی تعلیم ہمیں حدیث مبارکہ سے بھی ملتی ہے۔

۱۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی ﷺ نے فرمایا جس میں تین خصلتیں ہونگی اللہ اس کی موت آسان کردے گا اور اسے جنت میں داخل کردے گا۔

کمزور پر نرمی ، ماں باپ سے شفقت ، اور غلام سے اچھا سلوک (ترمذی)

۲۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو سب سے زیادہ کونسا عمل پسند ہے فرمایا نماز کی بروقت ادائیگی میں نے پوچھا پھر کونسا فرمایا ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا میں نے پوچھا پھر کونسا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔(بخاری)

۳۔ حضرت ابو ہرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میرے نیک سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ ارشاد فرمایا تیری ماں۔ اس نے کہا پھر کون تو آپ ﷺ نے فرمایا تیرا باپ (بخاری)

اس طرح آپ ﷺ نے والدین کے انتقال کے بعد بھی ان سے نیک اعمال کی صورت میں حسن سلوک جاری رکھنے کی تعلیم دی اور فرمایا کہ ان کی طرف سے صدقہ اور خیرات کیا کرو۔ آپ ﷺ نے والدین کے حقوق کی ادائیگی نہ کرنے کو کبیرہ گناہ قرار دیا۔

اگر زندگی میں خدانخواستہ کسی سے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی ہوگئی ہو تو پھر بھی خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے مرنے کے بعد ماں باپ کے حق میں برابر خدا سے ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہیں یہاں تک کہ خدا اس کو بھی اپنی رحمت میں لے کر نیک بندوں میں شمار کر لے۔ دعا ہے کہ جن کے والدین زندہ

ہیں انہیں اللہ تعالیٰ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کی خدمت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور جن کے والدین فوت ہوگئے ہیں انہیں اپنے والدین کے لئے مغفرت کی دعا کرنے اور ان کی طرف سے صدقہ وخیرات کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔(آمین)

والدین کے حقوق کے متعلق خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے ارشادات

''والدین کے حقوق بیوی بچوں کے حقوق پر بھی فوقیت رکھتے ہیں ۔سورہ بقرہ، بنی اسرائیل، عنکبوت، لقمان اور سورہ احقاف وغیرہ میں صاف صاف احکام خداوندی موجود ہیں کہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ، انکی خدمت کرو اور جب وہ بوڑھے ہو جائیں تو ان کو کبھی سختی سے جواب نہ دو بلکہ اف تک بھی نہ کرو ۔ان کے سامنے عاجزی اور انکساری اختیار کرو ۔ یہ ہے وہ شریفانہ اور مہذبانہ تعلیم جو قرآن ماں باپ کے ساتھ پیش آنے کے متعلق دیتا ہے ۔اس تعلیم کی روشنی میں ہر مسلمان کو یاد رکھنا چاہئے کہ میرا باپ وہی تو ہے جس کے نطفہ سے میں پیدا ہوا ہوں ۔جس نے ہر قسم کی تکلیف اٹھا کر مجھ کو اپنے سے بہتر کھلایا پہنایا، پڑھایا لکھایا یا کوئی ہنر سکھایا، نیکیوں پر چلنا اور بدیوں سے بچنا بتایا۔ جو ہمیشہ میری تکلیف سے رنجیدہ اور میری خوشی سے خوش ہوتا ہے اور صرف یہی ایک انسان ایسا ہے جو مجھے خود اپنے سے بھی زیادہ خوش، معزز اور دولت مند دیکھنا چاہتا ہے اور میری ماں یہ وہی مبارک ہستی تو ہے جس نے نوماہ تک مجھے پیٹ میں رکھنے کی تکلیف برداشت کی اور میری ولادت کے وقت موت سے دوچار ہو کر دوبارہ زندگی پائی ۔اس کے بعد مجھے اپنے بدن کا رس اور انس یعنی دودھ پلایا، میری خاطر ہر تکلیف اٹھائی، حتیٰ کہ جب میں پیشاب کر دیتا تھا تو یہ مجھے سوکھے میں سلاتی تھی اور خود گیلے میں پڑ رہتی تھی ۔میں بیمار ہوا تو اس نے دن رات کا چین تج کر میری خدمت کی اور راتوں جاگتی رہی، غریب تھی تو خود فاقے کیے اور مجھے کہیں نہ کہیں سے لا کر کھلایا ۔اب میں جوان ہوں اور یہ دونوں ضعیف ہو کر میری محبت اور خدمت کے محتاج ہیں تو کیا اب میں ان سے منہ موڑلوں؟ اس سے زیادہ کمینہ اور ذلیل حرکت کیا ہوگی ۔ (اقتباس از نعیمِ ملت)

ہم کیوں کُفر سے اسلام میں داخل ہوئیں

(محمد انور میمن)

جمائما خان عمران کی بیوی کا قبول اسلام

پاکستان کے مشہور کرکٹر اور سیاست دان (چیئرمین تحریک انصاف) جناب عمران خان کی بیگم جمائما خان کا تعلق انگلینڈ کے ایک غیر مسلم گھرانے سے ہے۔انہوں نے اسلام قبول کیا اور عمران خان سے شادی کر لی۔

شادی کے بعد ان سے پہلا انٹرویو لندن کے ایک مشہور صحافی شاہد سعداللہ نے کیا جو لندن ہی کے ایک اخبار ''دی نیوز'' میں شائع ہوا اور جسے روزنامہ نوائے وقت لاہور نے شائع کیا۔ اس انٹرویو میں محترمہ جمائما خان نے متفرق موضوعات پر گفتگو کی ہے۔میں نے صرف وہ حصہ اخذ کیا ہے جو ان کے قبولِ اسلام سے متعلق ہے:۔

بلاشبہ میرے دادا یہودی تھے،لیکن چونکہ میری دادی کیتھولک عیسائی تھیں اور یہودیوں میں نسل ماں سے چلتی ہے اور اولاد کو اسی کا عقیدہ اختیار کرنا ہوتا ہے۔اس لئے میرے والد یہودی نہیں رہے اور ان کی ساری پرورش عیسوی عقائد کے مطابق ہوئی۔خود میری والدہ کا تعلق اینگلیکن پروٹسٹنٹ چرچ سے ہے،اس طرح آبائی طور پر میرا تعلق عیسائی مذہب سے تھا۔ یہودیت یا صیہونیت سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔

میں برسٹل یونیورسٹی سے انگریزی ادبیات میں ڈگری کورس کر رہی تھی جب عمران خان سے میرا تعارف ہوا اور ہم نے اکٹھے زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیا۔چونکہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کرلیا۔موصوف نے مجھے اسلام کے بارے میں بہت سالٹریچر فراہم کردیا اور میں اپنے کورس کی تعلیم معطل کر کے سات آٹھ ماہ تک توجہ سے اس کا مطالعہ کرتی رہی حتیٰ کہ میں اسلام کی حقانیت کی قائل ہوگئی اور ایک روز کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگئی۔

یہ درست ہے کہ میری پرورش ٹھوس مذہبی فضاء میں نہیں ہوئی تھی، گھر کا ماحول عام یورپین گھرانوں کی طرح سیکولر تھا لیکن ہمارے ہاں اخلاقی اقدار کا سختی سے خیال رکھا جاتا تھا اور سب لوگ ان کی پیروی کرتے تھے۔

مجھے دین اسلام کی جس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ تھی کہ یہاں بغیر کسی درمیانی واسطے کے خدا سے براہِ راست تعلق قائم کیا جا سکتا ہے، اور ہر شخص اپنے اعمال کیلئے خود ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ یہاں نجات کیلئے نہ پیشہ ور پادریوں کی احتیاج ہے نہ کفارے جیسے بے بنیاد عقیدے کی۔

اللہ کا شکر ہے کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی میں تثلیث کی قائل نہیں تھی اور توحید پر یقین رکھتی تھی، اس لئے جب میں نے توحید خداوندی کے بارے میں پڑھا، تو میرے ذہن نے اس کی حقانیت کو فوراً تسلیم کر لیا۔

اسلام کے اس پہلو نے بھی بہت متاثر کیا کہ یہ ایک مکمل نظام حیات ہے اور زندگی کے ایک ایک شعبے میں راہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ نہانے دھونے سے لیکر خاندانی تعلقات اور معاشرتی روابط کے حوالے سے ایک ایک معاملے میں یہ دین ٹھوس اور فطری رہبری کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

شادی کے بعد جب میں اپنے سسرال لاہور، پاکستان گئی تو اسلام کی برکات سے مزید آشنا ہوئی۔ میں نے وہاں دیکھا کہ یورپ کے بالکل برعکس وہاں گھر کے سب افراد باہم یک جان ہو کر محبت اور اخلاص کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ یورپ کی طرح وہاں بوڑھے لوگوں کو اولڈ ایج ہومز کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جاتا، بلکہ وہ گھروں کے اندر اپنی اولاد کے درمیان زندگی گزارتے ہیں۔ سب چھوٹے بڑے ان کا بے حد احترام کرتے ہیں، ہر معاملے میں ان کی آراء کو مقدم جانتے ہیں اور ان کی خدمت میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے، میرے لئے یہ منظر انوکھا بھی تھا اور بے حد قابل تحسین بھی۔

یوں تو میرے شوہر عمران خان کے گھر کے ہر فرد نے مجھے خصوصی احترام اور محبت سے نوازا، لیکن جس تپاک، گرمجوشی، خلوص وایثار اور محبت واحترام کا انداز مجھ سے خان صاحب کی بہنوں نے اپنایا اس کی یاد مجھے مسرتوں سے نہال کردیتی ہے۔ اور اس طرح کی کوئی مثال یورپین معاشرے میں نہیں ملتی۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس خاندان کا یہ روّیہ اسلام کی برکت سے ہے اس لئے اپنے سسرالی خاندان کے ماحول میں اسلام پر میرا ایمان اور یقین مزید پختہ ہوا اور میری خواہش ہے کہ اس میں مزید استواری اور استحکام پیدا ہو۔

دائیں کو بائیں پر فضیلت ھے

آنحضرت ﷺ ہر کام میں دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے۔ نیز فرماتے کہ راستہ میں بھی دائیں جانب کو اختیار کرو۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کی بائیں جانب اور ایک بدوی دائیں جانب بیٹھا تھا۔ تو آپ ﷺ نے پینے کے بعد برتن بدوی کو پکڑانا چاہا تو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ابوبکرؓ کو پکڑایئے، وہ مجھ سے افضل ہیں۔ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ ترتیب دائیں جانب سے ہوتی ہے۔

فقیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تو کوئی مشروب پئے اور تیرے دائیں بائیں لوگ بیٹھے ہوں تو دائیں جانب سے ابتداء کر کہ دائیں کو بائیں پر فضیلت حاصل ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جوتا پہننے لگو تو دائیں سے شروع کرو اور اتارو تو بائیں کو مقدم کرو۔ نیز فرمایا کہ ایک جوتا پہن کر مت چلو، دونوں کو پہنو یا پھر دونوں کو اتار لو۔

غزہ پر اسرائیلی جارحیت اور عالم اسلام کی بے حسی

(عبدالرشید ساہی)

فلسطین کے علاقہ غزہ پر جو مظالم ڈھائے گئے ہیں انہوں نے ہر آنکھ کو پرنم کر دیا ہے انسان ورطہ حیرت میں ہے کہ یہ کون سے درندے، کہاں کے وحشی اور کیسے خونخوار ہیں جنہیں نہ تو معصوم بچوں کے لاشے نظر آتے ہیں اور نہ ہی سسکتی، آہیں بھرتی لاشیں اٹھاتی خواتین کا کوئی احساس ہے دیکھتے ہی دیکھتے اٹھارہ لاکھ کی آبادی کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا گیا اور دو ہزار سے زائد انسانوں کو بے دردی سے قتل کر دیا جن میں کثیر تعداد بچوں، عورتوں اور عام شہریوں کی تھی۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

ایک دور تھا جب مسلمان دنیا میں سب سے بڑی قوت تھے دنیا کے تمام براعظموں میں مسلمان جرنیل اور مجاہدین کے گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلواروں کی جھنکاروں کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب عیسائی حکمران لوئی نے اسلامی مملکت جس کا حکمران خلیفہ سلمان تھا اسلامی سرحد کے قریب جنگی مشقیں کیں تو خلفیہ سلمان نے عیسائی بادشاہ لوئی کو دربار میں طلب کر کے کھڑا کیا اور کہا کیوں نہ تمہاری سلطنت تم سے چھین لی جائے تو وہ ہاتھ باندھ کر معافی کا طلب گار ہوا، اس وقت مسلمان دنیا کی سپر پاور تھے ایک وہ زمانہ تھا جب عرب مہمان عورتوں سے دیبل کی بندرگاہ پر راجہ داہر کے قذاقوں نے بدتمیزی کی ان سے سامان چھین کر ان کو

قید کر دیا تو اس وقت کے حکمران حجاج بن یوسف کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے راجہ کو اور اس کے حواریوں کو سزا دینے کے لئے اپنا سولہ سال کا نوجوان بھتیجا (محمد بن قاسم) سپہ سالار بنا کر دیبل کو تاراج کرنے کے لئے روانہ کر دیا جس نے بڑی تیزی کے ساتھ سندھ (کراچی) سے ملتان تک کا علاقہ فتح کر دیا اس لئے سندھ کو باب اسلام بھی کہا جاتا ہے۔

جب سے مسلمانوں نے جہاد کا راستہ ترک کر دیا ہے اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے تعلق توڑ لیا تو بربادی اور رسوائی ہمارا مقدر بن چکی ہے۔ اندرا گاندھی نے اپنی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے بڑے فخر سے کہا تھا کہ "اب پاکستان کے ساتھ ہمیں جنگ نہیں کرنی پڑے گی کیونکہ ہم نے اپنی ثقافت مسلمان معاشرہ پر مسلط کر دی ہے اب یہ قوم اپنی موت خود ہی مر جائے گی"۔ اور وہی ہو رہا ہے ہماری نوجوان نسل کو بھارتی فلموں اور ڈراموں کے سب اداکاروں کے نام تو آتے ہیں مگر قرآن حکیم کو انہوں نے کبھی کھول کر دیکھنا گوارہ نہیں کیا کہ یہ ہمارے لئے کتاب ہدایت اور کتاب قانون ہے اس سے پوچھا جائے کہ زندگی کیسے گزارنی ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اصل دکھ کی بات یہ ہے کہ مسلمان دنیا اپنی بے حسی کی انتہا پر پہنچ چکی ہے یہ تو غزہ کی بربادی تھی یورپی اقوام، فرنگی دنیا جن کو ہم پلید اور نجس قرار دیتے ہیں جب بھی دنیا کے کسی بھی خطے میں ظلم ہوتا ہے وہ اقوام لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو کر ظلم کے خلاف احتجاج کرتے ہیں جلوس نکالتے اور ظلم کے خلاف خوب اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں مگر مسلمان قوم سے تو خدا تعالیٰ نے یہ احساس بھی چھین لیا ہے۔ کویت برباد ہوا، عراق برباد ہوا اور ہو رہا ہے شام برباد ہو رہا ہے مصر میں خون ریزی ہو رہی ہے لیکن مسلمان قوم کو تو سانپ سونگھ گیا ہے حکمران خواب خرگوش کے

مزے لے رہے ہیں سب سے شکوہ ہے مگر سب سے زیادہ سعودی عرب اور پھر اپنے ملک پاکستان کے حکمرانوں سے ہے جو اس ظلم کی مذمت نہیں کرتے کہ کہیں ہمارے آقا امریکہ اور برطانیہ ناراض نہ ہو جائیں ۔ہمارے ملک کے ارباب اقتدار کو اس ظلم کے خلاف بولنے کیلئے ان کے پاس چند لمحے بھی فرصت نہیں ہے ملک ڈوب رہا ہے سیلاب نے پاکستانی قوم کو مفلوج کر دیا ہے انسان پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں سارے سارے گاؤں صفحۂ ہستی سے مٹ گئے ہیں فصلیں برباد ہوگئی ہیں قومی معیشت کا جنازہ نکل گیا ہے مگر ملک میں بدامنی کی فضا پیدا کرنے والوں کے کان پر جوں نہیں رینگی ۔علامہ اقبالؒ مسلمانوں کے ایک رہنما نہیں بلکہ ولی کامل ہیں آپؒ نے فرمایا:

یہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا — روح محمد ﷺ اس کے جسم سے نکال دو

اہل عرب کو دے کے فرنگی تخیلات — اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

مسلمان ریاستوں خاص طور پر عرب ریاستوں پر جو رنگ فرنگی اور بھارتی تہذیب نے چڑھا دیا ہے اس کے ثمرات ہم دیکھ بھی رہے ہیں اور ہماری آنے والی نسلیں بھی دیکھیں گی آہستہ آہستہ تمام مسلمان ملکوں کی باری آئے گی سب کو تنہا کر کے مارا جائے گا چھوڑا کسی کو نہیں جائے گا جو اسرائیلی جارحیت کی مذمت نہیں کر رہے اور شرمناک خاموشی اختیار کرنے والے سب پٹ جائیں گے ۔اسرائیل نے مڈل ایسٹ اور نارتھ افریقہ کا نیا نقشہ جاری کر دیا ہے جس میں امت مسلمہ کو انتہائی کمزور دکھایا گیا ہے اس میں تو شک نہیں کہ اعداد و شمار کے لحاظ سے اسلامی دنیا ایک بہت بڑی قوت ہے تقریباً ایک ارب ساٹھ کروڑ تعداد ہے رقبہ بہت زیادہ ہے ستاون سے زیادہ آزاد ریاستیں 65 لاکھ سے زیادہ افواج ایٹمی قوت اور دنیا کے بیشتر بنکوں میں گیارہ سو پچاس

بلین ڈالرز سے زیادہ عربوں کے جمع ہیں مگر مسئلہ یہ ہے کہ یہ ایک منتشر قوت ہے۔

محترم ذوالفقار علی بھٹو نے اسلامی دنیا کو ایک پلیٹ فارم کیلئے تیار کیا ان کا ساتھ شاہ فیصل مرحوم نے بھی دیا لیکن غیروں کو بھلا یہ کیسے گوارا تھا کیونکہ اس صورت حال میں فرنگی اور بھارتی جنتا کا جنازہ نکل جاتا تھا پھر جو حشر ان دونوں رہنماؤں کا ہوا اور دنیائے اسلام کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش کی جو سزا امریکہ بہادر اور اس کے حواریوں نے ان کو اور ان کے خاندان کو دی وہ آپ سب کو معلوم ہے۔ اتفاق اور اتحاد میں خدائی برکت ہے اسلام کی واحد ایٹمی قوت پاکستان جو کہ اغیار کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح چبھا ہوا ہے یہود و ہنود اور بھارتی حکمران اس قوت کو کمزور اور برباد کرنے کیلئے ہر قسم کے پلیٹ فارم استعمال کر رہے ہیں پاکستانی رہنماؤں اور لیڈروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بڑے تفکر اور سوجھ بوجھ سے کام لیں ملکی بقاء اور آزادی کا تحفظ کرو سر جوڑ کر بیٹھ جاؤ اور صراط مستقیم تلاش کرو پاکستانی مفلوج غریب اور بے سہارا قوم کی فلاح کیلئے کام کرو ملک پاکستان کو تعلیم اور خاص طور پر سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے بام عروج پر لے جاؤ ملکی عدالتوں میں انصاف کے حصول کو آسان سستا اور تیز تر کرو ملک کی تمام ایجنسیوں کو ملکی مفاد کے کام میں لگاؤ خاص طور پر پاکستانی پولیس کی از سر نو تربیت کرو ان میں سے کالی بھیڑوں کو جو کہ معاشرے کا خون چوس رہے ہیں At once نکال باہر کرو حکومتی کیسز (Cases) کو نمٹانے کیلئے کوئی علیحدہ عدالت بناؤ ملکی سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کو حکومتی کیس نمٹانے میں ساری توانائی صرف کرنی پڑتی ہے وہ بیچارے عوام کو کیا انصاف مہیا کریں گے۔ مٹ جائے گی مخلوق تو انصاف کرو گے منصف ہو تو اب حشر اٹھا کیوں نہیں دیتے۔

مقامِ قرآن و حدیث

(مولانا عبدالمالک)

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے جناب رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوا ہے، اسی طرح سے حدیث مبارکہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی دوسری شکل ہے۔قرآن وحدیث میں فرق یہ ہے کہ قرآن پاک شریعتِ الٰہیہ کا متن ہے اور حدیث مبارکہ اس متن کی تفصیل، تشریح اور تکمیل ہے۔اللہ تعالیٰ فاعل حقیقی ومختیارکل ہیں، وہ جو حکم جس وقت اور جس انداز سے اپنے نبی ﷺ کو دینا چاہیں دیتے ہیں، کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہیں۔

یہ سمجھنا کہ جو حکم قرآن میں ہے وہ شریعت ہے اور جو قرآن میں نہیں ہے وہ شریعت نہیں، قطعاً غلط ہے۔صرف کتاب دلیل نہیں ہے، بلکہ کتاب کے علاوہ مزید دلائل بھی ہیں ، سنتِ رسول اللہ ﷺ تو 'کتاب اللہ' کی بھی مصداق ہے۔قرآن پاک میں صراحتاً حکم موجود ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا (الحشر۵۹:۷)

"جو کچھ تمہیں رسول ﷺ دیں اسے لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکیں اس سے رُک جاؤ۔"

اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں قرآن دیں تو لے لو اور حدیث دیں تو قبول نہ کرو، بلکہ حکم عام ہے۔رسول اللہ ﷺ جو بھی حکم دیں اسکو لینا فرض ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(اے نبی! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔وہ معاف کرنے والا اور رحم والا ہے۔(اٰلِ عمران ۳:۳۱)

یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو قرآن کے مطابق میری اتباع کرو، بلکہ مطلقاً اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس طرح جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر صرف قرآن پاک شریعت ہوتا تو پھر **اَطِیعُوا القرآن** یا **اَطِیعُوا اللہ** کافی ہوتا۔ **اَطِیعُوا الرسول** کے حکم کی الگ سے کوئی حاجت نہ ہوتی۔

اگر یہ بات مان لی جائے کہ جو حکم قرآن پاک میں نہیں ہے، وہ شریعت نہیں تو پھر پانچ نمازیں اور ان کا طریقہ ان کی رکعتوں کی تعداد، اوقات کی تحدید میں سے کوئی چیز بھی شریعت نہ ہوگی۔ اس لئے کہ قرآن پاک میں ان میں سے کسی کی تفصیل نہیں ہے بلکہ حدیث اور نبی کریم ﷺ کے عمل سے یہ چیزیں ثابت ہیں۔ قرآن پاک میں زکوٰۃ کا حکم ہے لیکن اس کے نصاب کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس طرح حج کے احکام کہ کب میدانِ عرفات میں پہنچنا ہے، وہاں کس وقت تک رہنا ہے، ایک آدمی کس وقت حج کو پائے گا اور کس وقت سمجھا جائیگا کہ اس کا حج اس سال فوت ہوگیا ہے۔ یہ ساری تفصیلات احادیث میں مذکور ہیں۔ اسی طرح قرآن پاک میں صرف چار چیزوں: مُردار، خون، خنزیر کے گوشت اور نذر لغیر اللہ کو حرام قرار دیا گیا ہے تو کیا سانپ، بچھو، کیڑے مکوڑے، درندے اور کتے سب حلال ہوں گے؟ اور کیا ان کی حرمت ماورائے شریعت قرار پائے گی؟ جواب ظاہر ہے کہ نہیں۔ یہ تمام چیزیں حرام ہیں اور شریعت میں ان کا ذکر کردیا گیا ہے۔

اُمت مسلمہ شروع سے نماز، روزے، حج، زکوٰۃ اور حلال وحرام اور زندگی کے دیگر معاملات میں ایک واضح اور مفصل نقشے کے مطابق زندگی گزار رہی ہے۔ یہ تفصیلی نقشہ حدیثِ رسول ﷺ سے ثابت ہے اور قطعاً اللہ کی شریعت ہے۔

قرآن پاک کی آیت: اے نبی ﷺ! آپ کو تو ہم نے بس ایک بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔'' (الفرقان: ۲۵:۵۶) کا مفہوم آپ ﷺ نے یہ سمجھایا کہ

رسول صرف بشارتیں اور ڈرانے کیلئے آیا ہے۔آپ کے فہم کے مطابق ہر آیت قرآنی اور ہر حدیث انذار سے شروع اور بشارت پر ختم ہو،تو وہ قرآن کہلانے اور صحیح اور سچی حدیث ہونے کی مصداق ہوگی۔یہ روّیہ اور سوچ قرآن وسنت سے عدم واقفیت کی علامت ہے جو کہ درست نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں قرآن پاک نے صرف انہی دو صفات کا ذکر نہیں کیا بلکہ شاہد، بشیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر بھی آپ کے اوصاف ہیں۔(الاحزاب ۳۳:۴۵-۴۶)

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ۝ (سورۃ النساء: آیت ۶۴)

''ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے،اسی لئے بھیجا کہ اذن خداوندی کی بناء پر اس کی اطاعت کی جائے۔'' رسول اللہ ﷺ کے متعلق فرمایا گیا: اے محمد ﷺ! تمہارے ربّ کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے اختلافی معاملات میں حاکم نہ بنائیں۔پھر اپنے دلوں میں آپ کے فیصلے پر کسی بھی قسم کی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سر تسلیم خم کرلیں۔''(النساء:۴:۶۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ ایک بہترین نمونہ ہیں۔'' **اُسوہ** اس کو کہا جاتا ہے جس کی پیروی کی جائے۔اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی ایسی ہے، جس کی پیروی کی جائے، نہ یہ کہ احکام قرآنی کی حد تک۔

اس وقت قرآن وسنت کا نظام ملک میں نافذ نہیں ہے۔لیکن شریعت صرف قرآن کا نام نہیں بلکہ سنتِ رسول ﷺ بھی شریعت کا حصہ ہے،اس بات کو تو پاکستان کے آئین میں بھی تسلیم کیا گیا ہے۔غیر مسلم بھی قرآن وسنت دونوں کو اسلام کا سرچشمہ سمجھتے ہیں۔

حلقہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ چوک اعظم (تاریخ کے آئینے میں)

(پروفیسر محمد شبیر شاہد)

وقت گزرتے دیر نہیں لگتی زندگی کا پہیہ چل رہا ہے ۔اس دنیا میں مختلف منصوبوں کی تکمیل کے لئے انسان کوشش کرتا رہتا ہے زندگی صرف اس دنیا تک محدود ہوتی اور زندگی بھی قلیل ہوتی تو مزہ کرکرا ہوتا انسان اس زندگی کے سدھارنے کے ساتھ حیات بعدالموت کے پلان اور منصوبے بناتا ہے تاکہ وہ آنے والی زندگی میں بھی سرخرو ہو۔

اسلام اس عارضی زندگی اور بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے ہماری رہنمائی کرتا ہے اس دین اسلام کی روشنی میں موجودہ زندگی اور مابعد زندگی کیلئے انسان ایسے کام کر گزرتا ہے جس سے انسان کو نہ صرف فرحت وخوشی ملتی ہے بلکہ خالقِ کائنات کی خوشنودی بھی حاصل ہوتی ہے۔

آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے دینی مشن کو،کوبہٗ کو پھیلانے کے لئے صحابہ کرام کے بعد صوفیاء کرام کا بہت ہاتھ ہے یوں تو بڑے بڑے جید صوفیاء کرام کے ناموں سے تاریخ بھری پڑی ہے اس جدید دور میں ایک ہستی جو نابغہ روزگار ہے اس کا دین کی خدمت کو بھلا دینا ناانصافی ہوگی وہ ہستی ہیں حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمتہ اللہ علیہ جنہوں نے نقشبندی،چشتی،اویسی سلسلے میں سلوک طے کیے اور آخر میں دیدار الٰہی سے باریاب ہوئے اور ایک الگ ''سلسلہ عالیہ توحیدیہ'' کی بنیاد رکھی اس سلسلے کے قیام کے بعد اتنی محنت کی کہ مختصر عرصے میں ملک کے گوشے گوشے سے مریدان اور طالبوں کی کثیر تعداد سلسلہ کی تعلیم سے فیضیاب ہونے لگی۔

مختلف شہروں میں حلقوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا تقریباً تمام بڑے بڑے شہروں میں ایک ایک ،دو دو حلقے قائم ہوئے اسی طرح نومبر 2003 میں ضلع لیہ کے چھوٹے سے قصبہ

چوک اعظم میں بھی حلقہ قائم ہوا اگر چہ حلقہ چوک اعظم کو قائم ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا لیکن اس نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جلد ترقی کی منازل طے کیں اور ملک کے مشہور حلقوں میں شمار ہونے لگا۔

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قواعد وضوابط کو احاطہ تحریر میں لاکر مریدین پر احسان عظیم کیا جس وجہ سے کسی قسم کا ابہام نہ رہا۔ حلقوں کے قیام کے ضروری لوازمات اور ضابطے تحریر فرمائے۔ انہیں ضوابط کی روشنی میں چوک اعظم کے حلقہ کا قیام عمل میں لایا گیا اس حلقہ کے قیام کے لئے جن مراحل سے گزرے اس کی داستان کچھ اس طرح ہے کہ راقم الحروف (پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی) نے سلسلہ میں شمولیت کے لئے بحیثیت طالب بھائی لیاقت علی فوجی کی رہنمائی میں پہلے سے قائم شدہ نزدیکی حلقہ شہر فتح پور میں ذکراذکار کی محفل میں آنا جانا شروع کردیا ہفتہ وار حاضری کو اپنا معمول بنالیا۔ یادرہے کہ چوک اعظم سے فتح پور تقریباً 16 میل کے فاصلہ پر ہے اس وقت فتح پور حلقہ کے مجاز حاجی مبارک علی (مرحوم) تھے ذکراذکار کی محفل میں خوب مزہ آیا۔ اب تو دلی خواہش یہ تھی کہ جتنا جلدی ہو شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت محمد صدیق ڈارؒ سے بیعت ہوں اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں باقاعدہ شامل ہوں۔ لیکن سلسلہ عالیہ کے اصول وضوابط آڑے آنے کی وجہ سے فوری بیعت ہونے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا۔ آخر وقت کے پہیے کی دوڑ کے ساتھ ایک دن بھائی عمر اور راقم الحروف حاجی مبارک علی مرحوم مجاز کی پرزور سفارش پر بیعت ہوگئے اور مٹھائی تقسیم ہوئی اور ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی اور یہ بیعت کی تقریب راقم الحروف کے غریب خانہ واقع بلوچ ہاؤس دستگیر کالونی وارڈ نمبر 3 چوک اعظم میں انجام پائی۔ باباجی محمد صدیق ڈارؒ اگر چہ اب بھی بیعت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے البتہ ہمارے اصرار اور شوق کے پیش نظر حاجی مبارک علی مرحوم کی پرزور سفارش پر بیعت کر لئے گئے۔

فتح پور حلقہ میں محفل ذکر کی نشستوں کے بعد کئی بار بھائی لیاقت علی فوجی صاحب سے مشورہ کیا تھا کہ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ فتح پور حلقہ کی طرح چوک اعظم میں بھی الگ حلقہ قائم ہو اور

یہاں ذکراذکار کی محافل کاانعقادہوتا کہ چوک اعظم کے بھائیوں کوسفر کی تکلیف سے بچایا جائے۔ بھائی لیاقت علی فوجی صاحب نے میرے اس خیال کی تائید کی اوراس خیال کی تکمیل کے لئے حالات اورکورم پورا کرنے کے بارے میں سوچ بچار شروع کردی۔آخر جب ہم دونوں، بھائی عمراورراقم الحروف سلسلہ میں داخل ہوئے تو پانچ طالب امرید کاکورم پورا ہواتو بابا جیؒ سے ذکر کرکے حلقہ کے قیام کی منظوری لے لی۔اگرچہ میری سوچ تو کافی دنوں پہلے کی تھی لیکن تکنیکی رکاوٹ حائل تھی کہ حلقہ کے قیام کے لئے موزوں جگہ (مکان) اورکم ازکم پانچ ارکان کامقامی طور پرہونا لازمی تھا۔

اس حلقہ کے قیام سے قبل چوک اعظم سے بھائی لیاقت علی فوجی صاحب بھائی عبدالرزاق صاحب اوربھائی اسرارصاحب باقاعدہ بیعت شدہ تھے جوباقاعدگی سے فتح پورحلقہ کے ہفتہ وارمحفل میں شرکت کررہے تھے۔مزید دو بھائیوں کی کمی تھی اس کمی کوراقم الحروف اور عمربھائی کے بیعت ہونے پرپورا کیا گیا اورحلقہ کے لئے مناسب محل وقوع کے لحاظ سے راقم الحروف کی رہائش سے ملحق خالی مکان کواس کارِخیر کے لئے پیش کیا گیاتو باقاعدہ طورپربابا جیؒ کی طرف سے فوری اجازت مل گئی۔

حلقہ کے قیام کےفوراًبعد حلقہ کے خادم کے انتخاب کامعاملہ پیش آیاتو اس حلقہ کے پہلے خادم کااعزاز بھائی عبدالرزاق صاحب کوحاصل ہوااورذکر کی محفل کاباقاعدہ سلسلہ ہرجمعہ کی شام کے بعدازمغرب شروع ہوگیاوقتاًفوقتاً حاجی مبارک علی مجاز اس نومولودحلقہ کی حوصلہ افزائی کے لئے تشریف لاتے رہےاوراسی طرح حلقہ میں بھائیوں،طالبوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا خصوصاً بھائی مبشر رشید صاحب جب 2004 کوبیعت ہوئےتو ان کی آمد سے حلقہ کی رونق میں اضافہ ہوا۔ان کی ذاتی تگ ودو سے کافی بھائی بیعت ہوکرحلقہ میں شامل ہوئے۔ان کی خدمت اوربھرپوردلچسپی کودیکھ کرانہیں حلقہ کے خادم کی ذمہ داری سونپی گئی اور بھائی عبدالرزاق کوبابا جیؒ کی طرف سے پیاربھرا ٹائٹل ''چیئرمین'' ملا۔بھائیوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کےفضل وکرم سےتقریباً

اٹھارہ بیس تک پہنچ گئی اب آہستہ آہستہ بھائی تعلیم اور ملازمت کے سلسلے میں ادھر ادھر بکھرنا شروع ہو گئے ظاہری طور پر حلقہ میں بھائیوں کی تعداد کم ہو گئی بھائیوں میں مایوسی کی لہر کا چھاجانا لازمی امر تھا۔فیض کی اس کیفیت کو ہم سب نے آزمائش جانا اور دعوت وتبلیغ کے لئے تگ و دو کو تیز کر دیا بھائیوں کے تعلیم اور ملازمت کی وجہ سے اپنے شہر سے باہر جانے پر رضوان بھائی کو حلقہ کی ذمہ داری سنبھالنا پڑی تا دمِ تحریر وہ اس ذمہ داری کو بخوبی نبھا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے کرم سے سلسلہ کے حلقہ کی دن دگنی رات چوگنی ترقی دیکھ کر راقم الحروف کے دل میں پھر ایک خیال آیا کہ کیوں نہ چوک اعظم میں ایک مستورات کا حلقہ قائم کیا جائے۔جب بھائی لیاقت علی فوجی سے مشورہ کیا تو انہیں ہم خیال پایا اور اپنے اہل خانہ کو سلسلہ میں شامل کر کے خواتین کے حلقہ کے قیام کی کوششوں کو تیز کر دیا اور اس کیلئے حلقہ ذکر کے بعد تمام بھائیوں سے مشورہ بھی لیا گیا اللہ تعالیٰ کو ہماری یہ ادا پسند آئی اور حلقہ مستورات کے قیام کے آثار پیدا ہونے شروع ہو گئے یکے بعد دیگرے بہنیں بیعت ہونا شروع ہو گئیں یہاں تک کہ بہنوں کی تعداد گیارہ تک پہنچ گئی۔لیکن یہ اعزاز راقم الحروف اور بھائی لیاقت علی فوجی کی بیگمات کو حاصل نہ ہوا البتہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حلقہ بنیاد پکڑ گیا۔

انہی دنوں حاجی مبارک علی (مجاز فتح پور حلقہ) اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے اور مجاز کی ذمہ داری کا بوجھ بھائی لیاقت علی فوجی کے کندھے پر ڈال دیا گیا۔

حلقہ مستورات کے قیام کے ساتھ ہی خادمہ حلقہ کے فرائض مسز عامر صاحبہ (بہن) کو نبھانا پڑے۔وقت کے ساتھ ساتھ حالات کے بدلنے پر خادمہ حلقہ کی ڈیوٹی تبدیل کرنا پڑی۔ان کے بعد نصرت بہن کو خادمہ حلقہ کے فرائض انجام دینا پڑے جو تا حال خوبصورتی سے نبھا رہی ہیں۔

الحمد للہ حلقہ چوک اعظم ترقی کی راہ پر گامزن ہے اللہ تعالیٰ برکت ڈالے آمین یا رب العالمین۔

شہادت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ
(مولانا مودودیؒ)

مقصدِ شہادت: ہر سال محرم میں کروڑوں مسلمان شیعہ بھی اور سنی بھی، امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ان غمگساروں میں سے بہت ہی کم لوگ اس مقصد کی طرف توجہ کرتے ہیں جس کیلئے امامؓ نے نہ صرف اپنی جانِ عزیز قربان کی بلکہ اپنے کنبے کے بچوں تک کو کٹوا دیا۔ کسی شخص کی مظلومانہ شہادت پر اس کے اہل خاندان کا اور اس خاندان سے محبت وعقیدت یا ہمدردی رکھنے والوں کا اظہارِ غم کرنا تو ایک فطری بات ہے۔ ایسا رنج وغم دنیا کے ہر خاندان اور اس سے تعلق رکھنے والوں کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی کوئی اخلاقی قدر وقیمت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اس شخص کی ذات کے ساتھ اس کے رشتہ داروں کی اور خاندان کے ہمدردوں کی محبت کا ایک فطری نتیجہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ امام حسینؓ کی وہ کیا خصوصیت ہے جسکی وجہ سے 1400 سال گزر جانے پر بھی ہر سال ان کا غم تازہ ہوتا رہے؟ اگر یہ شہادت کسی عظیم مقصد کیلئے نہ تھی تو محض ذاتی محبت وتعلق کی بناء پر صدیوں اس کا غم جاری رہنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اور خود امام کی اپنی نگاہ میں اس ذاتی وشخصی محبت کی کیا قدر وقیمت ہوسکتی ہے؟ انہیں اگر اپنی ذات اُس مقصد سے زیادہ عزیز ہوتی تو وہ اُسے قربان ہی کیوں کرتے؟ اُن کی یہ قربانی تو خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اس مقصد کو جان سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے۔ لہٰذا اگر ہم اس مقصد کیلئے کچھ نہ کریں بلکہ اس کے خلاف کام کرتے رہیں تو محض ان کی ذات کیلئے گریہ وزاری کرکے اور ان کے قاتلوں پر لعن طعن کرکے قیامت کے روز نہ تو ہم امام ہی سے کسی داد کی اُمید رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ ان کا خدا اس کی کوئی قدر کرے گا۔

اب دیکھنا چاہیے کہ وہ مقصد کیا تھا؟ کیا امام تخت وتاج کیلئے اپنے کسی ذاتی استحقاق کا دعویٰ رکھتے تھے اور اس کیلئے انہوں نے سر دھڑ کی بازی لگائی؟ کوئی شخص بھی جو امام حسینؓ کے گھرانے کی

بلند اخلاقی سیرت کو جانتا ہے، یہ بدگمانی نہیں کرسکتا کہ یہ لوگ اپنی ذات کیلئے اقتدار حاصل کرنے کی خاطر مسلمانوں میں خون ریزی کرسکتے تھے۔ اگر تھوڑی دیر کیلئے اُن لوگوں کا نظریہ ہی صحیح مان لیا جائے جن کی رائے میں یہ خاندان حکومت پر اپنے ذاتی استحقاق کا دعویٰ رکھتا تھا، تب بھی حضرت ابوبکرؓ سے لیکر امیر معاویہؓ تک پچاس برس کی پوری تاریخ اس بات کی گواہی ہے کہ حکومت حاصل کرنے کیلئے لڑنا اور کشت وخون کرنا ہرگز ان کا مسلک نہ تھا۔ اس لئے لامحالہ یہ ماننا ہی پڑے گا کہ امام عالی کی نگاہیں اس وقت مسلم معاشرے اور اسلامی ریاست کی روح اور اس کے مزاج اور اس کے نظام میں کسی بڑے تغیر کے آثار دیکھ رہی تھیں جسے روکنے کی جدوجہد کرنا ان کے نزدیک ضروری تھا۔ حتیٰ کہ اس راہ میں لڑنے کی نوبت بھی آجائے تو نہ صرف جائز بلکہ فرض سمجھتے تھے۔

ریاست کے مزاج، مقصد اور دستور کی تبدیلی:

وہ تغیر کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ لوگوں نے اپنا دین نہیں بدل لیا تھا۔ حکمرانوں سمیت سب لوگ خدا اور رسولؐ اور قرآن کو اسی طرح مان رہے تھے جس طرح پہلے مانتے تھے۔ مملکت کا قانون بھی نہیں بدلا تھا۔ عدالتوں میں قرآن اور سنت ہی کے مطابق تمام معاملات کے فیصلے بنی امیہ کی حکومت میں بھی ہو رہے تھے جس طرح اُن کے برسراقتدار آنے سے پہلے ہوا کرتے تھے۔ بلکہ قانون میں تغیر تو انیسویں صدی عیسوی سے پہلے دنیا کی مسلم حکومتوں میں سے کسی کے دور میں بھی ایسا نہیں ہوا۔ بعض لوگ یزید کے شخصی کردار کو بہت نمایاں کرکے پیش کرتے ہیں جس سے یہ عام غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ وہ تغیر جسے روکنے کیلئے امام کھڑے ہوئے تھے، بس یہ تھا کہ ایک برا آدمی برسراقتدار آ گیا تھا۔ لیکن یزید کی سیرت وشخصیت کا جو بُرے سے بُرا تصور پیش کرنا ممکن ہے اُسے جوں کا توں مان لینے کے بعد بھی یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کہ اگر نظام صحیح بنیادوں پر قائم ہو تو محض ایک بُرے آدمی کا برسرِ اقتدار آ جانا کوئی ایسی بڑی بات ہوسکتی ہے جس پر امام حسینؓ جیسا دانا وزیرک اور علم شریعت میں گہری نظر رکھنے والا شخص بے صبر ہو جائے۔ اس لئے یہ شخصی معاملہ

بھی وہ اصل تغیر نہیں ہے جس نے امام کو بے چین کیا تھا۔ تاریخ کے غائر مطالعہ سے جو چیز واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ یزید کی ولی عہدی اور پھر اس کی تخت نشینی سے دراصل جس خرابی کی ابتدا ہو رہی تھی وہ اسلامی ریاست کے دستور اور اس کے مزاج اور اس کے مقصد کی تبدیلی تھی۔ اس تبدیلی کے پورے نتائج اگرچہ اُس وقت سامنے نہ آئے تھے لیکن ایک صاحبِ نظر آدمی گاڑی کا رُخ تبدیل ہوتے ہی یہ جان سکتا ہے کہ اب اس کا راستہ بدل رہا ہے اور جس راہ پر یہ مُڑ رہی ہے وہ آخر کار اسے کہاں لے جائے گا۔ یہی رُخ کی تبدیلی تھی جسے امامؓ نے دیکھا اور گاڑی کو پھر سے صحیح پٹری پر ڈالنے کیلئے اپنی جان لڑا دینے کا فیصلہ کیا۔

نقطۂ انحراف: اس چیز کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کیلئے ہمیں دیکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدینؓ کی سربراہی میں ریاست کا جو نظام چالیس سال تک چلتا رہا تھا، اُس کے دستور کی بنیادی خصوصیات کیا تھیں اور یزید کی ولی عہدی سے مسلمانوں میں جس دوسرے نظامِ ریاست کا آغاز ہوا اس کے اندر کیا خصوصیات دولتِ بنی امیہ و بنی عباس اور بعد کے بادشاہوں میں ظاہر ہوئیں۔ اِسی تقابل سے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ یہ گاڑی پہلے کس لائن پر چل رہی تھی اور اس نقطۂ انحراف پر پہنچ کر آگے وہ کس لائن پر چل پڑی اور اِسی تقابل سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ اور سیدہ فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی آغوش میں تربیت پائی تھی اور جس نے صحابہؓ کی بہترین سوسائٹی میں بچپن سے بڑھاپے تک کی منزلیں طے کی تھیں، وہ کیوں اس نقطۂ انحراف کے سامنے آتے ہی گاڑی کو اس نئی لائن پر جانے سے روکنے کیلئے کھڑا ہو گیا اور کیوں اس نے اس بات کی بھی پرواہ نہ کی کہ اس زوردار گاڑی کا رُخ موڑنے کیلئے اس کے آگے کھڑے ہو جانے کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

انسانی بادشاہی کا آغاز: اسلامی ریاست کی اولین خصوصیت یہ تھی کہ اس میں صرف زبان ہی سے یہ نہیں کہا جاتا تھا بلکہ سچے دل سے یہ مانا بھی جاتا تھا اور عملی رویہ سے اس عقیدہ و یقین کا پورا ثبوت دیا جاتا تھا کہ ملک خدا کا ہے۔ باشندے خدا کی رعیت ہیں اور حکومت اس

رعیت کے معاملے میں خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔حکومت اس رعیت کی مالک نہیں اور رعیت اس کی غلام نہیں ہے حکمرانوں کا کام سب سے پہلے اپنی گردن میں خدا کی بندگی وغلامی کا قلادہ ڈالنا ہے۔پھر یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ خدا کی رعیت پر اس کا قانون نافذ کریں۔لیکن یزید کی ولی عہدی سے جس انسانی بادشاہی کا مسلمانوں میں آغاز ہوا، اُس میں خدا کی بادشاہی کا تصور صرف زبانی اعتراف تک محدود رہ گیا۔عملاً اس نے وہی نظریہ اختیار کرلیا جو ہمیشہ سے ہر انسانی بادشاہی کا رہا ہے۔یعنی ملک بادشاہ اور شاہی خاندان کا ہے اور وہ رعیت کی جان، مال، آبرو، ہر چیز کا مالک ہے۔خدا کا قانون ان بادشاہتوں میں نافذ ہوا بھی تو عوام پر ہوا۔بادشاہ ان کے خاندان اور امراء اور حکام زیادہ تر اِس سے مستثنیٰ ہی رہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعطل:

اِسلامی ریاست کا مقصد خدا کی زمین میں اُن نیکیوں کو قائم کرنا اور فروغ دینا تھا جو خدا کو محبوب ہیں اور ان برائیوں کو دبانا اور مٹانا تھا جو خدا کو ناپسند ہیں۔مگر انسانی بادشاہت کا راستہ اختیار کرنے کے بعد حکومت کا مقصد فتح ممالک اور تسخیر خلائق اور تحصیل باج وخراج اور عیش دنیا کے سوا کچھ نہ رہا۔خدا کا کلمہ بلند کرنے کی خدمت بادشاہوں نے کم ہی کبھی انجام دی۔ان کے ہاتھوں اور ان کے امراء اور حکام اور درباریوں کے ہاتھوں بھلائیاں کم اور برائیاں بہت زیادہ پھیلیں۔بھلائیوں کے فروغ اور برائیوں کی روک تھام اور اشاعت دین اور علوم اسلامی کی تحقیق و تدوین کیلئے جن اللہ کے بندوں نے کام کیا، انہیں حکومتوں سے مدد ملنی تو درکنار اکثر وہ حکمرانوں کے غضب ہی میں گرفتار رہے اور اپنا کام وہ ان کی مزاحمتوں کے علی الرغم ہی کرتے رہے۔اُن کی کوششوں کے برعکس حکومتوں اور ان کے حکام ومتوسلین کی زندگیوں اور پالیسیوں کے اثرات مسلم معاشرے کو پیہم اخلاقی زوال ہی کی طرف لے جاتے رہے۔حد یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر اسلام کی اشاعت میں رکاوٹیں ڈالنے سے بھی دریغ نہ کیا جس کی بدترین مثال

بنواُمیہ کی حکومت میں تو مسلموں پر جزیہ لگانے کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

اسلامی ریاست کی روح تقویٰ اور خدا ترسی اور پرہیز گاری کی روح تھی جس کا سب سے بڑا مظہر خود ریاست کا سربراہ ہوتا تھا۔ حکومت کے عمال اور قاضی اور سپہ سالار، سب اس روح سے سرشار ہوتے تھے اور پھر اسی روح سے وہ پورے معاشرے کو سرشار کرتے تھے۔ لیکن بادشاہی کی راہ پر پڑتے ہی مسلمانوں کی حکومتوں اور ان کے حکمرانوں نے قیصر و کسریٰ کے سے رنگ ڈھنگ اور ٹھاٹھ باٹھ اختیار کر لئے۔ عدل کی جگہ ظلم و جور کا غلبہ ہوتا چلا گیا۔ پرہیز گاری کی جگہ فسق و فجور اور راگ رنگ اور عیش و عشرت کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ حرام و حلال کی تمیز سے حکمرانوں کی سیرت و کردار خالی ہوتی چلی گئی۔ سیاست کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹتا چلا گیا۔ خدا سے خود ڈرنے کے بجائے حاکم لوگ بندگانِ خدا کو اپنے آپ سے ڈرانے لگے اور لوگوں کے ایمان و ضمیر بیدار کرنے کے بجائے اُن کو اپنی بخششوں کے لالچ سے خریدنے لگے۔

امام حسینؓ کا مومنانہ کردار: یہ تھے وہ تغیرات جو اسلامی خلافت کو خاندانی بادشاہت میں تبدیل کرنے سے رونما ہوئے۔ کوئی شخص اس تاریخی حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ یزید کی ولی عہدی ان تغیرات کا نقطۂ آغاز تھی اور اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ اس نقطے سے چل کر تھوڑی مدت کے اندر ہی بادشاہی نظام میں وہ سب خرابیاں نمایاں ہو گئیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں۔ جس وقت یہ انقلابی قدم اٹھایا گیا تھا اُس وقت اس کی خرابیاں اگرچہ بہ تمام و کمال سامنے نہ آئی تھیں مگر ہر صاحبِ بصیرت آدمی جان سکتا تھا کہ اس اقدام کے لازمی نتائج یہی کچھ ہیں اور اس سے ان اصلاحات پر پانی پھر جانے والا ہے جو اسلام نے سیاست و ریاست کے نظام میں کی ہیں۔ اِسی لئے امام حسینؓ اس پر صبر نہ کر سکے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ جو بدتر سے بدتر نتائج بھی انہیں ایک مضبوط جمی جمائی حکومت کے خلاف اُٹھنے سے بھگتنے پڑیں، ان کا خطرہ مول لے کر بھی انہیں اس انقلاب کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس کوشش کا جوانجام ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ مگر امام نے اس عظیم خطرے میں کود کر اور مردانہ وار اس کے نتائج کو انگیز کر کے جو بات ثابت کی وہ یہ تھی کہ اسلامی ریاست کی بنیادی خصوصیات اُمت مسلمہ کا وہ بیش قیمت سرمایہ ہیں جسے بچانے کیلئے ایک مومن اپنا سر بھی دے دے اور اپنے بال بچوں کو بھی کٹوا بیٹھے تو اس مقصد کے مقابلے میں کوئی مہنگا سودا نہیں ہے اور ان خصوصیات کے مقابلے میں وہ دوسرے تغیرات جنہیں اوپر نمبروار گنایا گیا ہے، دین وملت کیلئے وہ آفت عظمٰی ہیں جسے روکنے کیلئے ایک مومن کو اگر اپنا سب کچھ قربان کر دینا پڑے تو اس میں دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ کسی کا جی چاہے تو اسے حقارت کے ساتھ ایک سیاسی کام کہہ لے مگر حسینؓ ابن علیؓ کی نگاہ میں تو یہ سراسر ایک دینی کام تھا۔ اِسی لئے انہوں نے اس کام میں جان دینے کو شہادت سمجھ کر جان دی۔

(ماخذ: ماہنامہ ترجمان القرآن جولائی 1960ء)

دعائے مغفرت

راولپنڈی سے پیر بھائی محمد سعید بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں

اور ملتان سے سینئر پیر بھائی سید امتیاز حسین شاہ جو سید عطاء اللہ شاہؒ

کے برادر نسبتی تھے بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں

اللہ تعالٰی ان کی مغفرت فرمائے

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا کی درخواست ہے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



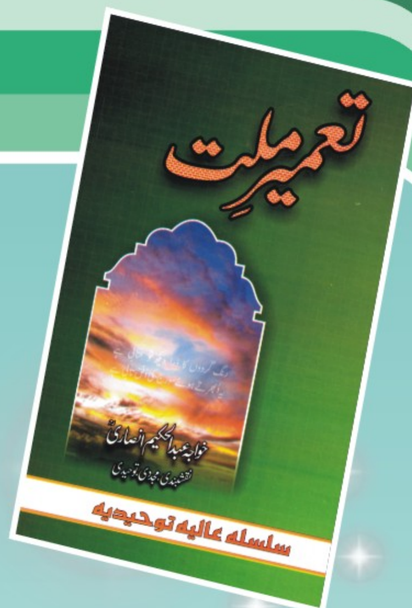
کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔



Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com